زبان کو زندہ کردیا ہے، اس لئے جو لوگ دہلی کی بیگمات کے محاورات سے واقف ہونا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ مجموعہ بہت مفید ہوگا، اس مجموعہ میں بہت سے محاورات اور بہت سے الفاظ ایسے آگئے ہیں جن کو غیر زبان دان نہیں سمجھ سکتے بہتر ہوتا اگر آخر میں ان کے حل کرنے کے لئے ایک فرہنگ لگادی جاتی لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۸۳ صفحے تقطیع خورد قیمت ۱۲؍ جناب حبیب اللہ خان صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے مل سکتا ہے،

کتاب الہدیٰ، جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے کتاب الہدیٰ کے نام سے قرآن مجید کے متحد مضامین کو آیتوں کے حوالوں کے ساتھ ساتھ یکجا کرنے کا جو کام شروع کیا تھا اور جس کا مقدمہ کشاف الہدیٰ کے نام سے پہلے شائع ہوچکا ہے، اس کا پہلا حصہ اب شایع ہوا ہے، جس میں خدا کی ذات وصفات اور تمام اجزائے کائنات کی آفرینش کے متعلق قرآن مجید کی تمام آیتوں کو یکجا کرکے ان کا ترجمہ اور ان کی شرح وتفسیر کی ہے، قدیم تفسیروں میں چونکہ ہر آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہے، اس لئے ان سے دل پر ایک مضمون کی تمام آیتوں کا جو مجموعی اثر پڑنا چاہئے تھا وہ نہیں ہوتا، لیکن اس کتاب نے اس کمی کو پورا کردیا ہے، اس لئے جو لوگ قرآن مجید کے تمام مضامین ومطالب پر الگ الگ دفعۃً واحدۃً حاوی ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۲۵۶ صفحے، قیمت ؟ پتہ:۔ سیٹھ یعقوب حسن صاحب ایملاپور، مدراس،

گہوارۂ اردو، یہ کمسن بچوں کو اردو سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، اس کے مؤلف مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی ہیں جنکو بچوں کی تعلیم کا اچھا خاصہ تجربہ بھی حاصل ہے، اس رسالہ کے دو حصے ہیں، مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ بچوں کو ان کے گہوارہ ہی سے صحیح زبان سکھانی چاہئے، چنانچہ اسی اصول پر انھوں نے اپنا یہ رسالہ ترتیب دیا ہے، پہلے حصہ میں چھ ماہ کے بچہ سے لیکر جب وہ غوں غاں شروع کرتا ہے، بہ ترتیب چار سال کے بچہ کی زبانی تعلیم کے اسباق چھ چھ مہینے کے تفاوت سے لکھے گئے ہیں، ہر شش ماہی کی عمر کی مناسبت کے الفاظ اور اسی مناسبت سے اس کی تدریجی ترقی کے سبق مصنف نے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں جنمیں زیادہ تر مفردات ہیں، دوسرے حصہ میں الف بے، اور فقرے اور عبارتیں ہیں، ہمیں امید ہے کہ کمسن بچوں کے والدین اس مفید جدت تعلیمی کو پسند کرینگے، قیمت ۸؍ پتہ:۔ مصنف سے محلہ بیگہ، شیخوپورہ ضلع مونگیر،

عدد ششم	ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء	مجلد بستم

مضامین

شذرات

اس نمبر پر یہ جلد تمام ہوجاتی ہے، جن صاحبون کا چندہ اس مہینہ ختم ہوگیا ہوگا، آیندہ جنوری کا پرچہ ان کے نام وی پی
ہوگا، جن صاحبون کو آیندہ خریداری منظور نہو وہ اطلاع دیدین تو دفتر پر احسان ہوگا، بعض ایسے اصحاب بھی ہین، جو پرچہ
خریدنا چاہتے ہین، مگر وی پی وصول ہونے پر ڈاکیہ کو دوسرے وقت اس کے لانے کی ہدایت کرتے ہین، مگر چونکہ ڈاک
کا سپنہ صرف ایک ہی دفعہ ان کے پاس اس کے پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اس لیے وہ عموماً دوسری دفعہ نہین لیجاتا، یا
چند روز ڈاکخانہ مین امانت رہنے کے بعد وہ دفتر مین واپس آجاتا ہے، اور ان صاحبون کو دوبارہ وی، پی منگوانا پڑتا ہے
اس طرز عمل سے دفتر کو اور خریدارون کو دونون کو نقصان پہنچتا ہے، امید ہے کہ خریدار اصحاب اس طرز عمل کو بدل کر خود
اپنے کو بھی اور ہم کو بھی ممنون فرمائین گے،

گذشتہ ماہ اکتوبر مین مدراس سے واپسی مین تقریباً دس برس کے بعد حیدرآباد میرا جانا ہوا، اور مسلسل ۲۰ روز تک وطن
رہنے کا اتفاق ہوا، اور اس قیام مین شہر کے ارکان وعمائد، اہل علم، اور اہل قلم اصحاب نے نمائندۂ دار المصنفین کی جو قدر افزائی
کی وہ اسکی توقع سے زیادہ تھی، ان دس برسون کے اندر حیدرآباد نے جو سب سے زیادہ شاندار ترقی کا منظر پیش کیا ہے
وہ اس کا **جامعۂ عثمانیہ** ہے، جامعۂ عثمانیہ اور دار الترجمہ کے توسل سے حیدرآباد مین تقریباً تمام ہندوستان کی روح
کھنچ کر آگئی ہے، جامعۂ عثمانیہ کی انجمن اتحاد کی تقریر مین مین نے مزاحاً کہا تھا کہ ہم کو ہندوستان مین جو قحط رجال نظر آتا ہے
اس کی اصلی وجہ یہان آکر معلوم ہوئی، یعنی ہندوستان کے فضلا کا بڑا حصہ ہندوستان سے کھنچکر دکن مین آباد ہوگیا ہے،
اور ہندوستان خالی رہ گیا ہے، اس وقت میرے خیال مین جامعۂ عثمانیہ اور دار الترجمہ کے تعلق سے قدیم اور جدید

علوم کے ماہرین کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی، اس سے اعلیٰ حضرت فرمانروائے کشورِ دکن کی قدر دانی، مردم شناسی اور علم
دوستی کا اندازہ ہوگا، داغ کا مصرع معنوی حیثیت سے اب موزون ہوا ہے،

حیدرآباد آجکل گلزار ہے،

لیکن اس خوشی کے ساتھ ایک غم بھی تھا کہ گو حیدرآباد کے آسمان مین سیکڑون ستارے چمک رہے ہین
لیکن علم و دانش کا وہ آفتاب غروب تھا، جو اس **نظام شمسی** کا مرکز تھا، یعنی نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی
مرحوم، مرحوم اب شہر سے باہر ایک پہاڑی کے دامن مین ایک لطیف وسبک بے سقف کی بارہ دری کے اندر استراحت
فرما ہین، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتون سے سرفراز کرے،

اس بات مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین کہ جامعۂ عثمانیہ کی تجویز توقع سے زیادہ کامیاب ہوئی، اور بالآخر اس
طویل فکری مناظرہ کا کہ مغربی علوم وفنون کی تعلیم مادری زبان مین دی جاسکتی ہے یا نہین، اور اردو زبان
اس قابل ہے یا نہین عملی استدلال سے فیصلہ ہوگیا، اور جامعۂ عثمانیہ نے ثابت کردیا کہ مادری زبان ہی مین تعلیم
دماغی نشو ونما کے اصلی جوہر کو نمایان کرسکتی ہے، پروفیسرون اور استادون کو کیمیا، طبیعیات اور ریاضیات کے
دقیق سے دقیق مسئلہ کو اردو اصطلاحات اور زبان مین تعلیم دیتے ہوئے دیکھکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ طلبہ پر غیر مادری
زبان اور مسئلہ کی دقت کا دوگونہ بار نہین پڑ رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی ہندوستان کو قومی تعلیم کا خیال
آئیگا تو عثمانیہ یونیورسٹی ہی اس خیال کا سنگِ بنیاد قرار پائے گی،

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ خوش قسمتی سے عثمانیہ یونیورسٹی کو ہر علم وفن کے لیے اچھے سے اچھے اور لائق سے لائق
استاد جو اس بازار مین مل سکتے تھے میسر آئے ہین، اور اس حیثیت سے وہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی سے کم

رتبہ نہین ہے، بلکہ شاید وہ بہت سی سرکاری یونیورسٹیون سے اس بارہ مین بہتر ہو،

جامعہ کی بالفعل خود اپنی کوئی عمارت نہین، متعدد بڑی بڑی کوٹھیون اور کرایہ کی عمارتون کو جو اس پاس تھین کرایہ پر لیکر استعمال مین لایا جارہا ہے، اور کہین کہین ان کو تھوڑے تغیر سے مصرف کے قابل بنالیا گیا ہے اور بعض کمرے تو ایسے موزون بنگئے ہین کہ وہ بالکل بے جوڑ نہین معلوم ہوتے ہین، خصوصاً تجربگاہ، جو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اسی غرض کیلئے بنا ہے، تاہم اگر جامعہ کے لیے کوئی خاص عمارت بجائے جو زیر غور ہے تو اس کی ظاہری شان وحیثیت بھی دوبالا ہوجائے،

کیمیا اور طبیعیات کے تجربگاہ بھی بہت کچھ ترقی یافتہ ہین، یہ سنکر خوشی ہوئی کہ طلبہ کی تعداد سال بسال آرٹس (فنون) کی جگہ علوم (سائنس) مین بڑھ رہی ہے، یہین کے تجربگاہ مین وہ نادر زمانہ چیز بھی دیکھنے مین آئی جس کو لوگ ریڈیم کہتے ہین، ایک مختصر کمرہ کو خاص اسی کے لیے موزون کیا گیا ہے، ہر طرف دروازہ بند کرکے اور بیرونی روشنی کی درآمد کو سیاہ پردون سے روک کر جب کوٹھری بحر ظلمات بنائی گئی اور پھر نور کا ٹکڑا ڈبیہ سے نکال کر جب آنکھ کے سامنے کیا گیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اندھیری رات مین سینکڑون چھوٹے چھوٹے تارے آسمان سے گرکر ادھر ادھر فضا مین پھیل رہے ہین،

جامعہ عثمانیہ کا کوئی پہلو اگر قابل افسوس ہے تو وہ شعبۂ دینیات ہے، اس شعبہ مین ہندوستان کے بڑے بڑے فاضل استاد ہین جنمین سے ایک بھی اگر ہندوستان کے کسی عربی مدرسہ کو میسر آجائین تو وہ اوسکی شہرت کے لیے کافی ہے، مگر یا این ہمہ اوسکی طرف طلبہ یا طلبہ کے اولیا، کا رجحان نہین، حالانکہ اعلیٰ حضرت نے اپنی عنایت دین پروری اور قدر شناسی کی وجہ سے اس شعبہ کے طلبہ کو حقوق ملازمت اور عزت وسند مین وہی درجہ عنایت کیا ہے جو دوسرے شعبون کے کامیاب طلبہ کو مرحمت فرمایا ہے، تاہم اودھر میلان نہین، اس کو مسلمانون کی بدبختی کے سوا اور کس چیز سے تعبیر کیا جائے،

جامعہ عثمانیہ کی تعلیمی کامیابی درحقیقت اس کے **دار الترجمہ** کی ممنونِ احسان ہے، یہی وہ شعبہ ہے جس نے جامعہ کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ مادری زبان مین تعلیم کا اہم کام انجام دے، انگریزی، عربی، فارسی کے ضخیم اور دقیق تراجم کا کام یہان نہایت عمدگی سے انجام پارہا ہے، یہان کے تراجم اگر اردو کتابون کے عام بازارون تک آجائین تو معلوم ہو کہ اس کے ذریعہ سے اردو زبان کو کس حد تک مالامال کردیا گیا ہے، سیاسیات، طبعیات، ریاضیات، اخلاقیات، تاریخِ اسلام، تاریخِ یورپ، تاریخِ ہند، جغرافیہ، اور ہر علم وفن کی کتابین تیار ہوچکی ہین، اور تیار ہوتی جاتی ہین، اور اس وقت تک ایک سو کے قریب کتابین چھپ چکی ہین،

حیدرآباد کی علمی کوششون کا تیسرا میدان **دائرۃ المعارف** ہے جہان سے قدیم مشرقی کتابین چھپکر شائع ہوتی ہین، یہ دائرہ شاید آج سے تیس برس پہلے ملا عبد القیوم مرحوم اور نواب عماد الملک مرحوم کی کوششون سے وجود مین آیا، اور اس کے ذریعہ سے بہت سی قدیم ونادر عربی کتابین چھپکر شائقین علم کے ہاتھون تک پہنچین اور جنھون نے نسیم بہار بنکر حیدرآباد کی علم دوستی کی خوشبو چار دانگ عالم مین پھیلادی، اس وقت دائرہ مین ایسے محنتی، اور جفاکش اور لائق کارکن اور مصححین موجود ہین، جو اپنے کام کو فرض شناسی کے ساتھ انجام دے رہے ہین، یہ افسوس ہے کہ دائرہ کی حیثیت ایک غیر سرکاری مجلس کی ہے، اور اس کا مطبع بھی اسکی حیثیت سے فروتر ہے، اور قلت سرمایہ کے باعث کام کرنے والون کا معاوضہ بھی اتنا نہین کہ وہ ایسے گران شہر مین فارغ البالی اور اطمینان سے کام کرسکین "گدائے گوشہ نشینی" کی یہ رائے "رموز مملکت" مین مداخلت تو نہ سمجھی جائے گی کہ مجلس اشاعۃ العلوم نظامیہ اور دائرۃ المعارف کو ایک کردیا جائے، تاکہ دونون کام ایک نظام مین منسلک ہوجائین اور دونون کو فائدہ پہنچ سکے،

کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد کی علمی عمارت کا چوتھا ستون ہے، ہمارے خیال مین کتابون کی کثرت، نوادر کی کثرت، قلمی کتابون کی کثرت، فائدہ اٹھانے والون کی کثرت، استفادہ کی سہولت اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے تمام مشرقی کتب خانون سے بہتر ہے، دس برس کے بعد اس کو اب دیکھنے کا اتفاق ہوا، کتابین بڑھتی جاتی ہین، ضرورت ہے کہ اسکی جدید فہرست نئے اسلوب پر تیار کیجائے، موجودہ ناظم کتب خانہ نے اس کام کا آغاز کردیا ہے، مگر یہ نہایت اہمیت اور دقتِ نظر کا کام ہے، اس کے لیے خاص توجہ درکار ہے،

امسال **ندوۃ العلماء** کا سالانہ اجلاس امرتسر مین تھا، نومبر کی ۲۵-۲۶-۲۷ تاریخین اس کے لیے مقرر تھین، جناب مولانا غلام حسین صاحب وزیر امور داخلیہ و وزیر تعلیمات ریاست بہاولپور اس کے صدر تھے، جلسہ مین علماء، اور تعلیم یافتہ اصحاب، اور عام مسلمان شریک تھے، ریاستِ بہاولپور کو ندوۃ العلماء سے اس کے آغاز کار سے جو تعلق رہا ہے مولانا ممدوح کی صدارت نے اس کو اور بھی مستحکم اور ناقابلِ شکست بنادیا، دار العلوم کی درسگاہ کی عمارت تمامتر اسی ریاست کی ایک شاہی خاتون کی مرہون منت ہے، ہماری امید تھی کہ اس درسگاہ کا ناتمام حصہ بھی اسی ریاست اسلامیہ کے دست جود و سخا سے انجام کو پہنچے، چنانچہ اس اجلاس مین جناب معلّی القاب ہزہائنس فرمانروائے ریاست بہاولپور خلد اللہ ملکہ کی طرف سے پندرہ ہزار کی گرانقدر امداد مرحمت فرمائی گئی، ہزہائنس کی اس توجہ و التفات شاہی سے متاثر ہوکر ریاست عالیہ کے ارکان و عمائد نے بھی دس ہزار کی رقم فراہم کی، اور ریاست کی طرف سے دار العلوم کے صیغۂ وظائف مین تین سو سالانہ کی جو رقم عنایت ہوئی تھی، وہ بڑھاکر پانچسو سالانہ کردیگئی،

جہان تک مسلمانانِ شہر کا تعلق ہے، جلسہ کے اہتمام حسنِ انتظام اور مہمان نوازی کے مصارف کے علاوہ ان سے خود ندوہ کو مالی امداد ان کی حیثیت سے کم ملی، جلسۂ عام مین دو ڈھائی ہزار کا عام چندہ ہوا، مگر اس کی تلافی کا وعدہ جنوری مین کیا گیا ہے یعنی ڈھائی ہزار کی مزید رقم اس مہینہ مین جمع کیجائے گی، ارکانِ ندوۃ العلماء اس ایفائے عہد کے لیے چشم براہ ہین،

اس اجلاس کا معنوی ماحصل یہ رہا کہ یہ طے پایا کہ دار العلوم مین مدرسین اور مبلغین کی تیاری کے لیے دو درجے کھولے جائین، بڑی مشکل یہ ہے کہ نئے مدرسے جو نئے انداز پر کھل رہے ہین، ان کے لیے لائق مدرسین نہین ملتے اور روز بروز تدریس کا فن کم ہو رہا ہے، اس طرح لائق اور قابل مبلغین کا قحط ہے، میری طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی، اور اس پر ایک گھنٹے تک تقریر کا سلسلہ جاری رہا، ہم کو خوشی ہے کہ حاضرین نے اس ضرورت کا اعتراف کیا، اور اس کے لیے مسرت کیساتھ آمادگی کا اظہار کیا، تجویز تھی کہ ہونہار اور مستعد طلبہ کو اس کام کے لیے دو دو برس کے لیے پندرہ پندرہ روپیے تک کے وظیفے دیئے جائین، اور ان کو دار العلوم مین تدریس و تبلیغ کی تعلیم دیجائے، چنانچہ اب تک اس شعبہ مین جن صاحبون نے مالی امداد کا وعدہ فرمایا وہ حسب ذیل ہین، ساہوکار جمال محی الدین صاحب مدراس ۳ وظیفے، مولانا غلام حسین صاحب صدر اجلاس و وزیر داخلیہ و تعلیمات بہاولپور ۱ وظیفہ، جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی ۱ وظیفہ، جناب حاجی نظام الدین صاحب ناظم مالیات حمایت اسلام لاہور، ۱ وظیفہ، مسلمانانِ ہوشیارپور ۱ وظیفہ جناب منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد، ۱ وظیفہ، انجمن اسلامیہ امرتسر ۱ وظیفہ، دار العلوم کے فارغ التحصیل طلبہ جو اس درجہ مین داخل ہونا چاہین، اپنی درخواستین معتمد تعلیمات دار العلوم کے پاس بھیج سکتے ہین،

حسب دستور، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کی دلگداز اور موثر تقریر جلسہ کی روح تھی، دار العلوم کے طلبہ نے عربی اور اردو مین جو تقریرین کین وہ نہایت حوصلہ افزا تھین، مولوی عبد الرحمان کاشغری کا عربی قصیدہ، اور محمد اکبر اور نجم الدین طالب علم کی تقریرین بہت پسند کیگئین، اور ان کو انعامات دیے گئے اور تین فارغ التحصیل طلبہ، مولوی عبد الرحمان کاشغری، مولوی قاری محمد منیر لکھنوی، اور مولوی عتیق احمد بھاگلپوری کو سندِ فراغ دیگئی،

کو سب سے جمیعۃ العلماء کے اجلاس سالانہ کی شرکت کے لیے پشاور عمر مین پہلی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا،

جمیعۃ العلماء کے اجلاس کے حالات اور تجویزین اخبارات مین شایع ہو چکی ہین، مولانا انور شاہ صاحب کا خطبۂ صدارت اپنی جامعیت اور بصیرت افزائی کے سبب سے لائق توصیف تھا، اجلاس مین صوبۂ سرحد کے بہت سے علماء شریک تھے، عام سرحدی مسلمان بھی بکثرت شریک تھے، تجویزون مین اہم چیزین ان رسوم و بدعات کے مٹانے اور چھوڑنے کی ہدایت تھی جو خاص طور سے صوبۂ سرحد اور افغانی مسلمانون مین جاری ہین، نیز مدارس اسلامیہ کے نصاب مین اصلاح اور جدید مسائل کے تصفیہ کے لیے علماء کی ایک مجلس کا تقرر، نیز صوبۂ سرحد مین ایک عربی درسگاہ کا قیام،

―――――

پشاور مین علمی اور تعلیمی حیثیت سے کوئی چیز قابلِ ذکر ہے تو وہ دار العلوم یعنی اسلامیہ کالج ہے، شہر سے چار پانچ میل باہر پشاور اور جمرود کے بیچ مین واقع ہے، وسیع عمارتین ہین، درسگاہین ہین، دار الاقامے ہین، کتبخانہ ہے، مسجد ہے، طلبہ کی بھی خاصی تعداد ہے، کئی سو لڑکے ہین، جنمین خاص صوبۂ سرحدی کے علاوہ بعض آزاد علاقون کے لڑکے بھی ہین، اس کالج کے متعلق مخالف و موافق دو رائین ہین جنمین سے ایک یہ ہے کہ یہ جاہل پٹھانون کو متمدن اور مہذب بنانے کی مشین ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بہادر اور آزاد پٹھانون کو غلام اور نامرد بنانے کا مہذب ذریعہ ہے، لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس تعلیم جدید سے قومیت کا احساس زندہ رہا ہے، اور پھر ایک ایسی قوم مین یہ احساس جو مذہب، زبان اور نسل مین بالکل متحد اور ایک ہے. . . . . .

―――――

اسلامیہ کالج کا شرقی کتبخانہ بھی قابل قدر ہے، تقریباً اردو اور نادر کتابون کا خاصہ ذخیرہ اوسکی الماریون مین ہے، اور اتفاق سے اوس کو ناظم بھی ایک لائق و شائق علم عالم میسر آگیا ہے، قلمی کتابون مین بعض طب و کیمیا کی ایک دو تصنیف کی، اور بعض دوسرے علوم کی نادر کتابین ہین، بعض نامور مصنفین کی تحریرین بھی ہین، ان کتابون کی بھی سلیقہ سے مرتب ہو گئی ہین، کتبخانہ کی چھپی ہوئی مفصل فہرست بھی شایع ہو چکی ہے،

―――――

صوبۂ سرحد مین مسلمانون کی تعداد تقریباً ۲۲ لاکھ ہے، اٹک کے مشہور دریا سے جہان اوس پار ہوئے صاف محسوس ہوتا ہے کہ زمین اور آب و ہوا بدل گئی، اور زبان پنجابی کے بجائے پشتو ہو گئی، یہ دریائے اٹک گویا ہندوستان کی طبعی حد ہے، دریا پر پرانے بادشاہون کے قلعے کے آثار ریل سے نظر آتے ہین، ریلوے پل پر آہنی پھاٹک اور مسلح سنتریون کا پہرہ بتاتا ہے کہ باب الہند شروع ہو گیا، پشاور سے دس بارہ میل پر جمرود آتا ہے، یہ بالکل درۂ خیبر کے دہانہ پر آباد ہے، مشہور درۂ خیبر کا ذکر تاریخون مین ہزارون بار پڑھا تھا، مگر ہندوستان کے اس پہاڑی پھاٹک کو دیکھنے کا پہلی دفعہ اتفاق ہوا، جمرود سے لنڈی خانہ تک ۳۰ میل کی مسافت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو پہاڑون کے بیچ مین بیس میل کی ایک گلی ہے، جو افغانستان سے ہندوستان کو یا ہندوستان سے افغانستان کو ملاتی ہے، مشہور مسجد علی جو کبھی ہندوستان اور افغانستان کی سرحد تھی، دو گز سے زیادہ بڑی مسجد نہ ہو گی، اور اس مقام پر اس قدر کم چوڑا راستہ ہے کہ اگر پہاڑ پر پچاس آدمی بھی ہون، تو وہ بڑی سی بڑی فوج کا راستہ بھی روک دین، حکومتِ برطانیہ نے اس تمام راستہ پر پورا دخل پا لیا ہے، اور تین قسم کے راستے اس مین نکال دیے ہین، ایک کاروان کے لیے پرانا رستہ، دوسرا نہایت عمدہ راستہ موٹرون کے لیے اور تیسری ریلوے لائن، اور اونچی پہاڑیون پر مورچے بنائے ہین، ان پہاڑون کے داہنے بائین، اوپر نیچے آفریدیون، محسودیون، شنواریون وغیرہ کے مکانات اور کچے قلعے ہین، ہر چہار دیواری بجائے خود ایک قلعہ اور ایک خان کی حکومت ہے، اگر کسی دن یہ پوری قوم ایک قوم بنجائے تو کیا ہو؟ اس کا سمجھنا آسان نہین،

―――――

مقالات

القضاء الاسلامی

۲

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

مقدمات فوجداری

اگرچہ خود عہد رسالت ہی مین ایک صحابیؓ کا تقرر بحیثیت افسر پولیس کے ہوچکا تھا، لیکن یہ صیغہ باضابطہ طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین قائم ہوا اور بعد مین اس صیغے کے افسر "صاحب الاحداث"، "والی مظالم" اور "والی حرب" وغیرہ مختلف لقبون سے ممتاز ہوتے رہے، جن کے فرائض مین مختلف جرائم کی سزاؤن کا نفاذ، فتنہ و فساد کی روک تھام، اور مجرمین کی سرکوبی داخل تھی، اور فوجداری کے جن مقدمات مین شہادت یا اقرار کا وجود نہین ہوتا تھا، ان کا فیصلہ بھی انھین افسرون سے متعلق تھا،[1]

عام تعزیری جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، اور زنا وغیرہ کے علاوہ جن کی سزائین اسلام نے مقرر کر دی ہین، اور بھی متعدد مذہبی، اخلاقی اور تمدنی جرائم ہین جن کی اسلام مین کوئی سزا مقرر نہین ہے، اور عادةً عدالتون مین کوئی شخص ان کے متعلق مرافعہ نہین کرتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے، وقت اور جماعت کا پابند نہ ہو، تاجر پیمانہ و وزن مین کمی کرین، کھانے پینے کی چیزون مین مضر یا ناجائز چیزین ملائین، یا ناجائز چیزون کی تجارت کرین تو گو اسلام مین ان کی کوئی سزا مقرر نہین ہے، اور عام طور پر ان کے متعلق مقدمات بھی دائر نہین ہوتے،

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۵ – ۲۱۸

لیکن اگر ان کی اصلاح و نگرانی نہ کیجائے تو مذہب، اخلاق اور تمدن کو سخت نقصانات پہنچ جائین، اس لیے اس ضرورت کے لیے اسلام نے احتساب کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا جسکی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے مین ہوئی، اور انھون نے بازار کی نگرانی کے لیے حضرت عبد اللہؓ اور حضرت سائبؓ کو مقرر کیا،[1] لیکن بعد کو چل کر احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم ہوگیا، اور محتسب کے اختیارات و فرائض اس قدر وسیع ہوگئے، کہ ان پر مستقل کتابین لکھی گئین، اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم مین اس پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے، بہرحال اسلام مین یہ صیغہ پولیس کے صیغے سے الگ تھا اور ان جرائم پر سزا دینا، اونکی اصلاح و نگرانی کرنا محتسب کے فرائض مین داخل تھا، لیکن ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے علاوہ اہم جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، زنا اور خیانت وغیرہ کے اور تمام مقدمات قاضی سے تعلق رکھتے ہین، اور وہ ان کی تحقیقات کے لیے مجرمین کی تلاشی لے سکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایکبار ایک صحابیؓ نے اپنے بعض فوائد کے لیے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلعم کے خلاف ایک خط لکھا اور اس کو ایک مشرکہ عورت کے ذریعہ سے روانہ کیا، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو چند سوار روانہ کئے، جنھون نے تعاقب کر کے اس کو گرفتار کیا، لیکن جب اس نے خط کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو ان لوگون نے دھمکی دی، کہ اگر تم نے خط واپس نہین کیا تو ہم تم کو برہنہ کر دینگے، مجبوراً اس نے کمر سے خط نکال کر ان کے حوالہ کیا،[2]

انکشاف جرائم کے متعلق تو اس حدیث سے قطعی تلاشی لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر مدعا علیہ دیوالیہ ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے برخلاف مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صاحب مال ہے تو اس کی درخواست پر قاضی کو اس کی تلاشی لینی بھی ضروری ہو جاتی ہے۔[3]

(۲) انکشافِ جرائم مین وہ نہایت ظنی قرائن سے بھی کام لے سکتا ہے، مثلاً ایک بار معتضد کے ایک غلام نے رات کے وقت دوسرے غلام کو قتل کر کے خود تمام غلامون مین جا کر سو رہا، معتضد نے تحقیقات شروع کی، تو ہر ایک کے دل پر ہاتھ رکھا، جنمین اُس غلام کے دل کی حرکت نہایت تیز محسوس ہوئی جس نے

[1] موطائے امام مالک کتاب البیوع، [2] صحیح بخاری کتاب المغازی باب فضل من شہد بدرا، [3] الطرق الحکمیہ صفحہ ۹،

ارتکاب قتل کیا تھا، چنانچہ اس نے اس سے اقرار جرم کروایا اور اس کو سزائے قتل دی،[1]

(۳) وہ اثبات جرم سے پہلے مجرمین کو زیر حراست بھی رکھ سکتا ہے، اور رسول اللہ صلعم نے بھی مجرمین کو زیر حراست رکھا ہے،[2] البتہ زمانۂ حراست کی مقدار میں اختلاف ہے، بعض لوگوں کے نزدیک اسکی مدت صرف ایک مہینہ ہے، اور بعضوں کے نزدیک اسکی کوئی تعیین نہیں ہے بلکہ افسر پولیس خود مناسب مدت مقرر کر سکتا ہے،[3]

پیروی مقدمات اسلام میں اگرچہ بذریعہ وکیل کے مقدمہ کی پیروی کرائی جا سکتی ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ اسلام کی عدالتی تاریخ میں بطور پیشہ کے وکالت کا رواج کبھی تھا یا نہیں؟ بعض کتابوں میں ہے کہ امام شافعیؒ کے معاصرین میں عیسیٰ بن ابان جب بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تو ان کے پاس دو بھائی آئے، جو مقدمات میں وکیل ہوا کرتے تھے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں وکالت کا پیشہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے اور وہ کوئی بدعت نہیں سمجھا گیا،[4]

فیصلہ ان تمام مراتب کے بعد قاضی کو بہ ترتیب دو مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں،

(۱) ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ میں جس چیز کے متعلق نزاع ہے اسکی نسبت اصلی حالات کا پتہ لگانا،

(۲) اور ان حالات کے مطابق منصفانہ فیصلے صادر کرنا،

اور اسلام میں ان دونوں مراحل کے متعلق چند کلی اور عام اصول متعین کئے ہیں، مثلاً مقدمات کے اصلی حالات کے پتہ لگانے کے لیے اسلام نے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ مدعی ایک ایسا دعویٰ کر رہا ہے، جو ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہے، اس کے برعکس مدعا علیہ ظاہری حالت سے استشہاد کرتا ہے، مثلاً ایک چیز کے متعلق جو عمرو کے قبضے میں ہے، اگر زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس شے کی ظاہری حالت کے مطابق نہیں ہے، لیکن عمرو کا یہ کہنا کہ وہ چیز میری ہے، بالکل ظاہری حالت کے مطابق ہے، ایسی حالت میں انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ جب مدعی کا دعویٰ ظاہری حالات کے مخالف ہے تو اس سے اس کے اثبات کیلئے شہادت طلب کی جائے، لیکن اگر وہ شہادت نہ پیش کر سکے، تو مدعا علیہ سے جو ظاہری حالات کی مطابقت

[1] الطرق الحکمیہ ص ۷، [2] ص ۱۰، [3] ص ۱۰۳، [4] المقارنات والمقابلات ص ۵۱-۵۲

ہی کو سند قرار دے رہا ہے شہادت کے بجائے صرف حلف لیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی مشروعیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے،

لو یعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجال واموالهم ولکن البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه[1]

اگر لوگوں کو حقوق صرف ان کے دعوی کرنے سے لا دیئے جائیں تو بہت سے لوگ لوگوں کے جان ومال کے مدعی ہو جائیں اس لیے مدعی پر گواہ کا لانا فرض ہے، اور مدعا علیہ پر حلف،

اب اس حدیث کے رو سے اسلام میں مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد دو چیزوں یعنی شہادت اور حلف پر قائم ہوتی ہے اور ہم ان دونوں چیزوں پر بہ تفصیل بحث کرتے ہیں۔

شہادت اس زمانے میں شہادت بہت زیادہ شرائط کی پابند نہیں ہے، لیکن اسلام نے شاہد کے لیے ایسے اوصاف ضروری قرار دیئے ہیں جن سے انصاف وصداقت کا ظن غالب پیدا ہو، اور وہ اسکو لوگوں کی نگاہوں میں عام طور پر مقبول وبرگزیدہ بنا سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

ممن ترضون من الشهداء — وہ گواہ جن کو تم پسند کرتے ہو،

واشهدوا ذوی عدل منکم، — اور اپنوں میں سے دو عادلوں کو گواہ بناؤ،

اس لیے جو لوگ ان اوصاف سے متصف نہیں ہیں وہ حق شہادت سے محروم کر دیئے گئے اور رسول اللہ صلعم نے ان کی نسبت ارشاد فرمایا ہے،

لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية[2] — خائن اور زانی مرد اور خائنہ اور زانیہ عورت کی شہادت جائز نہیں ہے۔

اور جو لوگ کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگا کر اس کو ثابت نہیں کر سکتے ان کی نسبت خداوند تعالیٰ نے فرمایا

[1] صحیح مسلم میں "ولکن البینة علی المدعی" کا فقرہ نہیں ہے، لیکن بیہقی وغیرہ نے باسناد صحیح اس فقرے کی زیادتی کی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی روایت کو لیا ہے، [2] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب من ترد شہادتہ،

ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو، اور وہ لوگ فاسق ہین بجز

الا الذین تابوا الخ، ان لوگون کے جنھون نے توبہ کی،

زنا اور تہمت زنا کے حکم مین اور دوسرے کبائر بھی داخل ہین[۱]

یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہؓ مین جھوٹی شہادتون کا رواج نہین ہوا اور بعد مین بھی لوگ اس کو اس قدر اہم چیز خیال کرتے تھے کہ جھوٹی شہادت تو الگ بچون تک کو شہادت دینے سے منع کرتے تھے، چنانچہ

قال ابراهیم کانوا ینهوننا ونحن غلمان عن العهد والشهادات[۲] ابراہیم کہتے ہین کہ بچپن مین لوگ ہم کو شہادت اور معاہدہ سے منع کرتے تھے،

لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی تھی کہ

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجئ قوم یبتدر شهادة احدهم یمینه ویبتدر یمینه شهادته[۳] سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگون کا جو ان کے بعد ہونگے (یعنی تابعین کا) پھر ان لوگون کا جو ان کے بعد ہون گے، (یعنی تبع تابعین کا) اس کے بعد ایک ایسی قوم آئیگی کہ ان مین ہر شخص کی شہادت اسکی قسم سے اور اس کی قسم، اسکی شہادت سے مسابقت کرے گی،

پھر جب یہ نامبارک زمانہ آیا تو قضاۃ اسلام نے شاہدون کی تعدیل کی یعنی سراً وعلانیۃ لوگون کے ذریعہ سے شاہدون کی عدالت صداقت اور دوسرے اخلاقی اوصاف کے متعلق جانچ پڑتال کرنا شروع کی، لیکن چونکہ عہد رسالت اور عہد صحابہؓ مین اسکی نظیر قائم نہین ہوئی تھی اس لیے اول اول جب قاضی شریح نے خفیہ طور پر شاہدون کی اخلاقی تحقیقات کی تو لوگون نے اعتراض کیا کہ "احدثت" یعنی آپ نے یہ نئی بات پیدا کی

۱ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۱۲۵ ۲ مسلم کتاب المناقب ۳ ایضاً

مگر انھون نے خود اسی اعتراض کو جواب کے قالب مین بدل کر کہا کہ "احدثوا" یعنی لوگون نے بھی تو نئی نئی باتین پیدا کرلی ہین[۱] لیکن بایں ہمہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ

المسلمون عدول بعضهم علی بعض الا محدود فی القذف، بجز اس شخص کے جس کو تہمت زنا کے لگانے کی وجہ سے سزا دیگئی ہو تمام مسلمان شہادت دینے مین عادل ہین،

اس لیے فقہاء کے نزدیک قاضی کو صرف گواہون کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرنی چاہیے، اور اس کے چال چلن کے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہین کرنی چاہیئے۔ البتہ فوجداری کے مقدمات مین چونکہ قاضی کا یہ فرض ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ملزم کے بری کرنے کی کوشش کرے، اس لیے وہ اس سلسلے مین گواہون کی چال چلن کے متعلق بھی جانچ پڑتال کرسکتا ہے، لیکن اگر فریق مقدمہ خود گواہ پر کوئی الزام لگائے تو خفیہ وعلانیہ دونون طریقون سے اس کے چال چلن کی جانچ پڑتال قاضی کے فرائض مین داخل ہوجاتی ہے، بلکہ امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک فوجداری اور دیوانی دونون قسم کے مقدمات مین قاضی کو گواہون کے چال چلن کی جانچ کرنی چاہیئے[۲]

بہرحال جب زمانہ مابعد مین عہد صحابہؓ کی طرح گواہون کی ثقاہت، اور عدالت پر اعتماد نہین رہا، تو قضاۃ اسلام نے ان کے چال چلن کے متعلق جانچ پڑتال شروع کردی، چنانچہ مصر مین ایک زمانہ تک یہ رواج تھا کہ جب کوئی اچھا شخص شہادت دیتا تھا تو وہ بلاچون وچرا قبول کرلیجاتی تھی ورنہ اس کو مردود کردیا جاتا تھا، اور اگر اس کی عدالت وثقاہت مشتبہ معلوم ہوتی تھی تو اس کے متعلق اس کے پڑوسیون سے پوچھ لیا جاتا تھا، اور وہ اس کی برائی اور بھلائی جو کچھ بیان کردیتے تھے اس پر عمل کیا جاتا تھا، لیکن جب جھوٹی شہادتون کا بہت زیادہ رواج ہوا تو قاضی غوث بن سلیمان نے خلیفہ منصور کے زمانے مین خفیہ طور پر گواہون کے چال چلن کی جانچ پڑتال شروع کی اور اس کے بعد اس کا عام رواج ہوگیا،[۳]

یہ احتیاط ان گواہون کے متعلق تھی جو عام مقدمات مین شہادت دینے کے لیے پیش کیے جاتے تھے، لیکن مقدمات کے سلسلے الگ وقف وصیت

۱ محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۰ ۲ ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۵ ۳ کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۶۱،

اور دستاویز وغیرہ پر جن گواہون کی شہادت ثبت ہوتی تھی، ان کے متعلق اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا اور چند ثقہ لوگ اس کے لیے مخصوص کر لیے گئے، چنانچہ بغداد مین سب سے پہلے قاضی اسمعیل مالکی نے اس قسم کی شہادتون کے لیے ثقات کی ایک جماعت کو مخصوص کر دیا اور دوسرے لوگون کے لیے انکی ممانعت کر دی اور کہا کہ "اب لوگون کی اخلاقی حالت خراب ہو گئی ہے، اور شہادت کی باضابطگی اس طریقہ کے بغیر ناممکن ہے[1]" اگرچہ بعد کو اس طریقہ کے رائج کرنے مین بہت سی دشواریان پیش آئین، کیونکہ اس طریقہ سے اور لوگ اپنے ایک اخلاقی اور تمدنی حق سے محروم ہو جاتے تھے، اور در پردہ گویا ان کی اجازت پر حملہ ہوتا تھا، تاہم قضاۃ اسلام نے ان تمام مشکلات کی کچھ پروا نہین کی، اور اس طریقہ کو نہایت عزم و استقلال کے ساتھ قائم رکھا، چنانچہ "قاضی محمد بن مسروق جب مصر مین آئے اور وہان ثقات کی ایک جماعت کو ان معاملات کی شہادت کے لیے مخصوص کیا تو لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے، لیکن انھون نے بھی ان کا مقابلہ کیا[2]، قاضی مفضل بن فضالہ نے اس قسم کے گواہون کی تعداد کو محدود کیا تو لوگون پر سخت گران گذرا اور اسحاق بن مفضل نے چند اشعار مین ان کی ہجو کی، چنانچہ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے،

مین صبح تک خدا سے دعا کرون گا کہ تجھکو ایک لاغر کتا بنا دے، تو نے ہمارے فیصلے مین ظالمانہ طریقہ اختیار کیا، اور ڈاکوون کی ایک جماعت کو ثقہ بنا دیا، گذشتہ زمانے مین لوگون نے یہ نہین سنا تھا کہ ثقہ صرف چند آدمی ہین[3]،

قاضی عمری نے اہل مدینہ مین قریش اور انصار وغیرہ کے آزاد شدہ غلامون مین سے اس مقصد کیلئے سو آدمیون کو منتخب کیا، اور عطاف کو ان کا سردار بنایا تو بعض شعراء نے ان گواہون کی ہجو لکھی[4] لیکن باینہمہ مشکلات اس تعیین و تحدید مین روز بروز زیادہ باقاعدگی اور باضابطگی پیدا ہوتی گئی، یہان تک کہ قاضی عبد الرحمان العمری

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۸، [2] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۸۹، [3] ایضاً صفحہ ۳۸۶،
[4] ایضاً صفحہ ۳۹۲،

نے سب سے پہلے ان گواہون کا نام باقاعدہ طور پر ایک رجسٹر مین درج کیا اور ان کے بعد اور قاضیون نے بھی اس کی تقلید کی[1]، اگرچہ اس قسم کے گواہ نہایت ثقہ اور معزز لوگون مین سے انتخاب کیے جاتے تھے، چنانچہ جب قاضی عیسیٰ منکدر کے زمانے مین عبد اللہ بن حکم نے جو اس جانچ پڑتال پر مقرر کیا گیا تھا، عام بازاری لوگون کو عادل قرار دیکر گواہ بنا دیا تو بعض لوگون نے اس پر سخت اعتراض کیا[2]، لیکن باینہمہ اس قسم کے ثقہ لوگون کی اخلاقی حالت مین بھی تغیرات ہو سکتے تھے، اس لیے قاضی لہیعہ بن عیسیٰ نے ہر چھ مہینہ کے بعد ان کی جانچ پڑتال بھی شروع کر دی، اور ان مین جس شخص کو ناقابل اعتبار پایا، ان کو شہادت سے روک دیا[3]،

مختلف فیہ شہادتین اسلام نے شہادت کے لیے عقل، بلوغ، واقعہ کی یاد داشت، گویائی، اسلام، عدالت، مروت اور غیر متہم ہونے کی شرط لگائی ہے، اس لیے بظاہر دیوانے، نابالغ، گونگے، کافر اور فاسق یعنی بدکار لوگون کی شہادت قابل اعتبار نہین ہو سکتی، لیکن دیوانون اور گونگون کو چھوڑ کر، بچون، کافرون، بدکارون کی اور اس قسم کے اور بھی بہت سے لوگون کی شہادت کے متعلق مباحث و اختلافات موجود ہین،

بچون کی شہادت مثلاً امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ انھون نے بچون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا ہے، لیکن ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر بچے ہوشمند ہون اور ان مین شہادت کے اور تمام متذکرۂ بالا شرائط پائے جائین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، ان سے تیسری روایت یہ ہے کہ اگر بچے آپس مین ایک دوسرے کے جسم و جان کو نقصان پہنچائین، اور موقع واردات سے منتشر ہونے سے پہلے ہی شہادت دین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک بار چھ لڑکے ایک ساتھ تیرنے کو گئے، جنمین ایک ڈوب گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، تو تین لڑکون نے دو لڑکون کے متعلق شہادت دی کہ انھون نے اس کو ڈبویا ہے، اور دو نے تین لڑکون کی نسبت اسی قسم کی شہادت دی تو

[1] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۹۴،
[2] 〃 صفحہ ۴۳۶، [3] 〃 صفحہ ۴۳۲،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین لڑکون سے دو شخص اور دو لڑکون سے تین شخص دیت دلوائی، قاضی شریحؒ کا قول ہے کہ اگر وہ متفقہ طور پر شہادت دیں تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، لیکن اگر باہم اختلاف کریں تو ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جا سکتا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے گواہون کی نسبت فرمایا۔

ممن ترضون من الشهداء ؎ — وہ گواہ جنکو تم پسند کرتے ہو؛

اور بچے ان لوگون مین شامل نہیں ہین جنکو ہم شہادت کے لیے پسند کرتے ہین، لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر بچون سے شہادت کی خواہش کیجائے، تو وہ اس کے لیے سب سے زیادہ موزون ہین، لیکن اسی کے ساتھ ان کے نزدیک وہ صرف اسوقت شہادت کے قابل ہو سکتے ہین، جب مصیبت کی آزمائش مین اپنے ہوش وحواس کو بجا رکھکر ثابت قدم رہ سکین، اور قضاۃ اسلام نے انھین کے قول کو قبول کیا ہے، لیکن بچون کی شہادت کیلئے اور بھی بہت سے شرائط لازمی ہین، مثلاً وہ مرد، آزاد اور مسلمان ہون اور ان مین واقعہ کے سمجھنے کی صلاحیت پائی جائے، ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو، ان کی شہادت مین اتفاق ہو، اختلاف نہ ہو، ایک دوسرے سے منتشر ہو کر گھرون مین چھپ نہ گئے ہون، ان کی شہادت باہم ایک دوسرے کے مقابل مین ہو، اور صرف باہمی قتل یا مارپیٹ کے مقدمات کے متعلق شہادت دین، کیونکہ شریعت نے بچون کے لیے تیراندازی کشتی، اور تمام فوجی کرتبون کی تعلیم ضروری قرار دی ہے، اور ان کو ننگ وعار سے غیرت دلائی ہے اور بھاگ جانے کو شرمناک فعل قرار دیا ہے، اس لیے جب کبھی وہ تنہا ہوتے ہین تو لازمی طور پر باہم زدوکوب کرتے ہین، ایسی حالت مین اگر ہم اس قسم کے مقدمات کے متعلق ان کی شہادت قبول نہ کیجائے تو ان کے خون کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، حالانکہ شریعت نے انسان کے جانی نقصانات کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ہے؎

کفار کی شہادت کفار کی شہادت کی دو صورتین ہین،

؎ الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳۔

(۱) ایک تو یہ کہ خود آپس مین ایک دوسرے کے موافق یا مخالف شہادت دین،

(۲) دوسرے یہ کہ وہ مسلمانون کے موافق یا مخالف شہادت دین،

پہلی صورت کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے، بعض لوگون کے نزدیک کفار کا باہم شہادت دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

فاغرينا بينهم العداوة والبغضاء — ہم نے کفار کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے،

اور دشمن کی شہادت دشمن کے مقابل مین ناجائز ہے،

لیکن بہت سے لوگون کے نزدیک کفار کی باہمی شہادت جائز ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی کی شہادت کو ایک مجوسی کے لیے یا ایک مجوسی کی شہادت کو ایک عیسائی کے لیے جائز قرار دیا ہے، حماد بن ابی سلیمانؒ ایک عیسائی کی شہادت کو ایک یہودی اور عیسائی دونون کے لیے جائز سمجھتے ہین، لیکن امام زہریؒ کے نزدیک ایک عیسائی ایک عیسائی کے لیے اور ایک یہودی ایک یہودی کے لیے تو شہادت دے سکتا ہے، لیکن عیسائی کی شہادت یہودی کے مقابل مین اور یہودی کی شہادت عیسائی کے مقابل مین ناجائز ہے، بلکہ اصول یہ ہے کہ جب دو شخصون کے مذہب مین اختلاف ہو جاتا ہے تو ایک کی شہادت دوسرے کے لیے ناجائز ہو جاتی ہے، البتہ ایک کافر طبیب یا ڈاکٹر کی شہادت اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت ہوتی ہے،

جو لوگ کفار کی باہمی شہادت کے قائل ہین ان کا استدلال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

(۱) ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك — اور اہل کتاب مین بعض لوگ ایسے ہین کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر کا ڈھیر مال رکھدو تو وہ تم کو ادا کر دینگے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مین ایسے دیانتدار لوگ بھی موجود ہین جو خود مسلمانون کے مال کثیر کے امین ہو سکتے ہین، اور جو شخص دوسرے لوگون کے معاملات مین اس قدر متدین ہو سکتا ہے، وہ خود

اپنے اہلِ قرابت، اور اہلِ مذہب کے معاملات مین تو اس سے بھی زیادہ متدین ہوگا،

(۲) والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض — کفار ایک دوسرے کے ولی ہین،

اور ولایت کا درجہ شہادت سے بڑا ہے، اس لیے جب کفار مین باہمی ولایت خود قرآن مجید سے ثابت ہی تو ان کی باہمی شہادت کیون نہین جائز ہوگی؟ حدود و قصاص مین خود رسول اللہ صلعم نے ان کی شہادت قبول فرمائی ہے، اگر کوئی مسلمان سفر مین مرتا ہو اور وصیت پر کفار کو گواہ بنائے، تو ضرورۃً اس شہادت کو شریعت اسلام نے جائز رکھا ہے، لیکن خود کفار کے باہمی معاملات مین ان کی شہادت کی ضرورت اس سے بہت زیادہ ہی، کیونکہ کفار باہم بہت سے معاملات کرتے ہین، اور ان مین بہت سے جرائم سرزد ہوتے ہین، اور ان حالات مین کوئی مسلمان موجود نہین ہوتا، اس لیے اگر باہم ان کی شہادتین قبول نہ کیجائین، تو ان کے تمام تمدنی حقوق ضائع ہوجائین، بہت سے کفار اپنے مذہب کے رو سے عادل، راست باز، اور امین ہوتے ہین، اور اپنی قوم بلکہ خود مسلمانون مین بھی اس حیثیت سے اس قدر شہرت و اعتماد رکھتے ہین کہ بہت سے مسلمانون پر بھی اتنا اعتماد نہین کیا جاسکتا، خود خداوند تعالی نے ان کے ساتھ معاملت، ان کی عورتون کے ساتھ نکاح، اور ان کے ذبیحہ کو مسلمانون کے لیے جائز قرار دیا ہے، تو جب ہم ان چیزون مین ان پر اعتماد کرتے ہین تو ان کی شہادت پر بطریق اولی اعتماد کیا جاسکتا ہے، بے شبہہ قرآن مجید نے ان کی باہمی دشمنی کا ذکر کیا ہی لیکن وہ بعینہ اسی قسم کی فروعی عداوت ہے جو خود مسلمانون کے مختلف فرقون مین موجود ہے، لیکن جس طرح یہ عداوت مسلمانون کو باہمی شہادت سے نہین روکتی، اسی طرح کفار کے لیے بھی اس قسم کی شہادت سے مانع نہین ہے، دوسری صورت کے (یعنی یہ کہ کفار مسلمانون کے لیے شہادت دے سکتے ہین یا نہین؟) متعلق قرآن و حدیث اور عمل صحابہؓ سے اس قدر بتصریح ثابت ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالتِ سفر مین مرنے لگے، اور اس جگہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو وہ وصیت پر کفار کو گواہ بنا سکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین اس کے متعلق یہ صریح آیت موجود ہے،

یا ایھا الذین اٰمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنٰن ذوا عدل منکم او اٰخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت،	مسلمانو! جب تم مین سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور وہ وصیت کرنے لگے) تو وصیت کرتے وقت تم مین گواہی (کا یہ قاعدہ ہونا چاہیئے) کہ تم مین کے دو معتبر (آدمیون) کی (گواہی) ہو، یا اگر تم کہین کو سفر کو جاؤ اور (حالت سفر مین) تم پر موت کی مصیبت آپڑے (اور مسلمان گواہ میسر نہ ہون) تو تم مسلمانون کے سوا (دو گواہ) غیر ہی سہی)

اس صورت کے سوا اسلام مین مسلمانون کے متعلق کافر کی شہادت کسی حالت مین مقبول نہین ہے، کیونکہ سلطنتون کی بنیاد مختلف حیثیتون پر قائم ہوتی ہے، مثلاً اس زمانے مین یورپین حکومتون کی بنیاد قومی و نسلی امتیازات پر قائم ہے، اس لیے خود یورپین قومون کے مقدمات کی سماعت کے طریقے بھی عام رعایا سے مختلف ہین، اسلام نے اپنے حکومت کی بنیاد مذہبی امتیازات پر رکھی ہے، اس لیے وہ مسلمانون کے معاملے مین کسی غیر قوم کی شہادت کو قبول نہین کرتا، لیکن اس سے اس قوم کی تحقیر و تذلیل مقصود نہین، بلکہ مذہب و عقیدہ کا اصولی اختلاف دونون مین قابل اعتماد اشتراک نہین پیدا کرتا، اور شہادت کی بنیاد اعتماد ہی پر قائم ہے،

لونڈی غلامون کی شہادت

صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک لونڈی اور غلام شہادت کے معاملے مین آزاد لوگون کے برابر خیال کیے جاتے تھے اور تمام مقدمات مین ان کی شہادت قبول کیجاتی تھی، چنانچہ ایک بار جب قاضی شریح نے کہا کہ "مین غلامون کی شہادت کو جائز نہین سمجھتا"، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "ہم تو جائز سمجھتے ہین" اس کے بعد قاضی شریح بھی غلامون کی شہادت کو جائز سمجھنے لگے، یہان تک کہ ایک بار ان کے اجلاس مین ایک غلام نے شہادت دی، اور ان سے کہا گیا کہ یہ غلام ہے تو بولے کہ "ہم سب کے سب لونڈی غلام ہین"۔ ایاس ابن معاویہؓ سے غلامون کی شہادت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھون نے تعجب سے کہا، کیا مین عبد العزیز بن صہیبؒ کی شہادت کو رد کر سکتا ہون؟ لیکن عہدِ صحابہؓ کے بعد اس مین اختلاف پیدا ہوا، اور چونکہ امام شافعیؒ

امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے غلامون کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا تھا، اس لیے عام طور پر ان کے اقوال شہرت پاگئے اور بہت سے لوگ ان کے ہمخیال پیدا ہوگئے، لیکن قرآن، حدیث، آثار صحابہ، قیاس اور اصول شریعت سے ان بزرگون کے اقوال کی تائید نہین کیجاسکتی، کیونکہ شہادت کے لیے صرف ضبط، اسلام اور عدالت کی شرط ہے اور وہ غلامون مین پائی جاتی ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کہتا ہے،

وکذالک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا
اسی طرح ہم نے تم کو ایک عادل قوم بنایا تاکہ تم لوگ لوگون پر شہادت دو اور پیغمبر تم پر شہادت دے،

اور اس مین شبہہ نہین کہ غلام اس عام خطاب مین داخل ہین، اس لئے خداوند تعالیٰ کا یہ قول

واشہدوا ذوی عدل منکم
اپنے مین سے عادل لوگون کو گواہ بناؤ،

آزاد لوگون کی طرح غلامون کو بھی شامل ہے،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یاایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ،
اے ایمان والو! انصاف کے قائم والے بن کر خدا کے آگے گواہ بنو،

لونڈی غلام، مومن ہین، اس لیے وہ گواہ بھی ہوسکتے ہین،

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے،

واستشہدوا شہیدین من رجالکم
اپنے مردون مین سے دو شخصون کو گواہ بناؤ،

اور اس مین کوئی شبہہ نہین کہ غلام ہمارے مردون مین شامل ہین،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک
جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا وہ لوگ بہترین

ہم خیر البریة
خلائق ہین،

اور ایک غلام جو مومن وصالح ہو، وہ اس آیت کے بموجب بہترین خلائق مین شامل ہے، اسلیے اس کی شہادت کیونکر غیر مقبول ہوسکتی ہے،

روایت حدیث کا درجہ شہادت سے بڑھا ہوا ہے، اور ایک راوی کو گواہ سے زیادہ ثقہ وعادل ہونا چاہیے، لیکن جب غلام رسول اللہ صلعم سے حدیث روایت کرسکتا ہے تو وہ شہادت کیون نہین دیسکتا[۱]

اندھون کی شہادت اندھون کی شہادت مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ وہ صرف سمعی شہادت دیسکتے ہین، لیکن چونکہ انسانون کا لب ولہجہ باہم بہت کچھ ملتا جلتا ہے، اس لیے قطعی طور پر یہ نہین کہا جاسکتا کہ شخص کے متعلق وہ شہادت دے رہے ہین اوس کی آواز کو انھون نے بالکل غیر مشتبہ طور پر پہچان لیا ہے، لیکن علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اگر وہ ایک شخص کی آواز کو اچھی طرح پہچانتے ہین تو وہ اس کے متعلق سمعی شہادت دے سکتے ہین،[۲]

قرابتدارون کی شہادت قرابت دارون اور رشتہ دارون کی شہادت کے متعلق بھی اختلاف ہے، فقہ کی کتابون مین یہ روایت موجود ہے

لاتقبل شہادة الولد لوالدہ ولا الوالد لولدہ ولا المرأة لزوجہا ولا الزوج لامرأتہ ولا العبد لسیدہ ولا المولی لعبدہ ولا الاجیر لمن استاجرہ[۳]
لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق، باپ کی شہادت لڑکے کے متعلق، بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق، اور شوہر کی شہادت بی بی کے متعلق اور آقا کی شہادت غلام کے متعلق اور اجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر مقرر کیا، قبول نہین کیجاسکتی،

لیکن صحاح کی کتابون مین جن لوگون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا گیا ہے، وہ رسول اللہ صلعم

---

[۱] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸، [۲] ایضاً صفحہ ۱۸۷، [۳] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۸،

کے الفاظ مین حسب ذیل ہین،

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ ولا ذی غمر علی اخیہ ورد شہادۃ القانع لاھل البیت واجازھا لغیرھم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائن مرد، خائنہ عورت، زانی مرد اور زانی عورت، اور اس شخص کی شہادت اس شخص کے متعلق جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے، جائز نہین، اور آپ نے نوکر چاکر کی شہادت کو اس خاندان کے حق مین جس سے وہ تعلق رکھتا ہے مردود کر دیا، اور دوسرے لوگون کے حق مین جائز رکھی،

لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ[1]

بدو کی شہادت گاؤن کے مالک کے خلاف جائز نہین،

لیکن قرابتدار، رشتہ دار، شرکا، اور اجیر وغیرہ ان ممنوع الشہادۃ لوگون مین شامل نہین ہین، اور صحاح مین ان کے متعلق کوئی دوسری حدیث بھی موجود نہین ہے، اور مذکورہ بالا حدیث، جس مین ان لوگون کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، بہت کچھ قابل بحث ہے، یہان تک کہ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے کہ یہ قاضی شریح کا قول ہے، حدیث نہین ہے[2]۔ اس لیے اگر ایک رشتہ دار شہادت کے شرائط کا جامع یعنی ثقہ، قابل اعتماد، اور عادل ہو تو وہ اپنے رشتہ دارون کے متعلق شہادت دے سکتا ہے، چنانچہ قاضی خیر بن نعیم کے متعلق کندی نے کتاب ولاۃ مصر مین لکھا ہے،

کان یجیز شہادۃ ذوی رحم لہ حمہ اذا کان معہ وفایا لعدالۃ[3]

ایک قرابتدار اگر عدالت مین مشہور ہوتا تھا تو دوسرے قرابتدار کے متعلق وہ اس کی شہادت کو جائز قرار دیتے تھے،

نیل الاوطار مین ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ، قاضی شریحؒ، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہ نے

[1] ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب من ترد شہادتہ [2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ صفحہ ۲۱۰،
[3] کتاب ... صفحہ ۱۳۵۱ –

بھی قرابت دارون کی شہادت کو جائز رکھا ہے، لیکن جو لوگ اس کو ناجائز سمجھتے ہین وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہین کہ قرابتدارون پر جانب داری کا شبہہ ہو سکتا ہے، لیکن جو قرابت دار اس قدر پابند مذہب ہون کہ اس کی راست بازی پر اس کا اثر پڑ سکے ان پر طرفداری کا شبہہ نہین کیا جا سکتا، اس لیے ان کی شہادت قبول کی جائے گی[1]،

فاسق کی شہادت اسلام نے شہادت کے لیے جو اوصاف ضروری قرار دیئے ہین، ان کے لحاظ سے یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اکثر حالات مین اس قسم کے ثقہ، عادل، متدین اور پاکیزہ خو اشخاص کی شہادت کا بہم پہنچانا ناممکن ہے، اور اس حالت مین بہت سے مقدمات کے غیر منفصل رہنے کا احتمال ہے، اس بنا پر اصلی سوال یہ ہے کہ فاسق یعنی بدعقیدہ، بداخلاق، اور بدکار لوگون کی شہادت معتبر ہو سکتی ہے، یا نہین؟

قرآن مجید نے اس قسم کے لوگون کی خبرون کو بالکل غیر معتبر نہین قرار دیا ہے، بلکہ ان کے متعلق تحقیقات کا حکم دیا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا

مسلمانو! اگر کوئی بدکار تمھارے پاس کوئی خبر لادے تو اچھی طرح اس کو تحقیق کر لو،

اور علامہ ابن قیم اس حکم ربانی کی توجیہ اس طرح کرتے ہین،

فان الکافر الفاسق قد یقوم علی خبرہ شواھد الصدق، فیجب قبولہ والعمل بہ[2]

کیونکہ ایک بدکار کافر کی خبر مین کبھی سچائی کی علامات اس قدر جمع ہو جاتی ہین کہ اس کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے،

شہادت بھی درحقیقت ایک قسم کی خبر ہی ہے، اس لیے قرآن مجید کی تصریح کے رو سے ایک بدکار شخص کی شہادت کو کلیۃً رد نہین کیا جا سکتا، البتہ اس کے متعلق ہر ممکن طریقہ سے تحقیقات کیجا سکتی ہے؛

[1] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۵۵۷ [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۳،

بالخصوص ایسے زمانے میں جبمیں فقہ اور متدین شخص بہت کم رہ جائیں، اور اس قسم کے بدکار لوگوں کی کثرت ہوجائے ان کی شہادت بلاتامل قبول کیجا سکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں،

جب معدودے چند لوگوں کے سوا تمام لوگ بدکار ہوجائیں تو ان میں ایک کی شہادت دوسرے کے لیے قبول کیجا سکتی ہے اور درجہ بدرجہ بہتر پھر اس سے کم درجہ کے بہتر اشخاص کی شہادت پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے یہی بات ٹھیک ہے، اور اسی پر عمل ہے، گو بہت سے فقہائے زبان سے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ بدکار کی سچائی کا جب گمان غالب ہوگیا تو اسکی شہادت قبول کرلیجائے گی، اور اس پر فیصلہ کیا جائیگا، خداوند تعالی نے بدکار کی خبر کے رد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، اس لیے مطلقاً اوس کو رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ اوسکی تحقیقات کیجائے گی تا یہ ظاہر ہوجائے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اگر یہ ثابت ہوجائے کہ وہ سچا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اور اس پر عمل ہوگا، اور اگر جھوٹا ہوگا تو اوسکی خبر رد کردیجائے گی اور اس کی طرف توجہ نہ کیجائے گی،

اصل یہ ہے کہ شہادت کے رد و قبول کا دارومدار سچائی کے ظن غالب پر ہے، اور یقینی بات یہ ہے کہ ایک آدمی ایک بات میں عادل اور دوسری میں فاسق ہوتا ہے، اس لیے اگر حاکم پر یہ ثابت ہوگیا کہ وہ جس چیز کے متعلق شہادت دے رہا ہے اس میں عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کریگا، اور دوسرے معاملات میں اسکی بدکاری اس کے لیے مضر نہ ہوگی،[1]

قرافی نے بھی بعض علماء کی بھی رائے نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ جب ہم غیر عادل گواہوں کے سوا کسی اور کو نہ پائیں گے تو ان میں سے شہادت کے لیے ایسے اشخاص کو پیش کرینگے جو ان میں سب سے بہتر اور سب سے کم بدکار ہوں تاکہ مصالح برباد نہ ہونے پائیں،[2]

[1] الطرق الحکمیہ ۲۳، [2] ایضاً ۱۵۶-۱۵۷،

اس کے بعد محمد حافظ صبری نے المقارنات والمقابلات میں علامہ ابن قیم کی وہ رائے نقل کی ہے جسکا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے، اور لکھا ہے کہ قرافی اور ابن قیم کا مذہب قوانین جدیدہ سے جس نے قبول شہادت کے معاملے میں بہت زیادہ وسعت اور گنجائش پیدا کردی ہے، بہت زیادہ قریب ہے اور یہی ٹھیک ہے،[3]

احناف نے اگرچہ بدکار شخص کی شہادت کو ناجائز قرار دیا ہے تاہم اگر کوئی حاکم ایسے شخص کی شہادت پر فیصلہ کردے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، بلکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ایک بدکار آدمی صاحب وجاہت اور باوقار ہو تو اسکی شہادت بھی قبول کیجا سکتی ہے کیونکہ اپنی وجاہت کی وجہ سے وہ روپیہ لیکر گواہی نہ دیگا اور اپنے وقار کی وجہ سے جھوٹ نہ بولیگا،[4]

عورتوں کی شہادت

عورتوں کی شہادت دو قسم کی ہے ایک تو وہ جسمیں وہ مردوں کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیتی ہیں، دوسرے وہ جسمیں ان کو تنہا شہادت دینی پڑتی ہے، مثلاً عورتوں کے مخصوص معاملات یعنی حمل، حیض، رضاعت، اور عورتوں کے جسمانی عیوب کے متعلق تنہا عورتوں کی شہادت قابل تسلیم ہوسکتی ہے لیکن ان معاملات میں ان کی تعداد میں اختلافات ہیں، بعض ائمہ کے نزدیک چار اور بعض کے نزدیک تین عورتوں سے کم کی شہادت مقبول نہیں ہے، لیکن بعض کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت کافی ہے، البتہ ولادت کے متعلق صرف ایک عورت یعنی دائی کی تنہا شہادت قابل قبول ہوسکتی ہے، بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تمام معاملات میں جنسے عورتوں کے سوا کوئی دوسرا شخص واقف نہیں ہوسکتا، صرف ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہوسکتی ہے، رضاعت کے متعلق بھی ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہے خود و یعنی ان مقدمات میں جنمیں ملزمین کو سزائیں دیجاتی ہیں عورتوں کی شہادت مقبول نہیں ہے اور ان مقدمات میں وہ نہ تنہا شہادت دیسکتی ہیں، نہ مردوں کیساتھ شریک ہوکر ان کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، لیکن طاؤس کا قول ہے کہ عورتیں زنا کے سوا اور تمام تعزیری معاملات میں مردوں کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیسکتی ہیں، طلاق و نکاح وغیرہ کے متعلق بعض ائمہ کے نزدیک عورتوں کی شہادت مقبول نہیں ہے لیکن بعض ائمہ نے اس کو جائز رکھا ہے،[5]

[3] المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۶، [4] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹، [5] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۷،

غنی کشمیری

(۲)

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب سلیم، ایم اے

غنی کی شاعری،

یہ مسلمہ ہے کہ ایک حقیقی شاعر کے جذبات نسبتہ سریع الانفعال ہوتے ہین، اور اسی وجہ سے شعر کے تاثر کا راز بھی انھین داخلی حسیات کے اظہار مین مضمر ہے، غنی کی شاعری، باوجود اس کے کہ ان کی طبیعت خیال بندی اور دقت پسندی پر زیادہ مائل ہے، ان کے جذبات اور احساسات کا صحیح آئینہ ہے، وہ خود اس کی تصدیق ان الفاظ مین کرتے ہین،

رنگے کہ نہان نمیداریم راز خود چو شمع　　　هرچه در دل هست ما را بر زبان می آوریم

شاعری بقول علامہ شبلی "تنہا نشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے، مولانا غنی فعلاً اور قولاً اسے ثابت کرتے ہین، فرماتے ہین:-

از فکر تا سخن نشود قابلِ رقم　　　مانندِ خامہ سر ز گریبان نمی کشم

تخیل غنی کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت تخیل ہے تخیل شاعری کے لئے روح و روان سے کم نہین، بلکہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہین کہ شاعری صرف قوت تخیل کا نام ہے، اگر یہ صحیح ہے، تو غنی "ہمہ تن شاعری ہے" اور اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک نمایان مظہر ہے" اس کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہے، کہ مناظر قدرت کی ہر چیز مین ہر بار جب وہ اسے دیکھتا ہے، ایک نیا عالم پنہان پاتا ہے، اور دنیا کے معمولی واقعات اس کے سامنے نئے

نئے انداز مین جلوہ گر ہوتے ہین، مثالین ملاحظہ ہون،

ایک خوبصورت پھول کو دیکھتے ہین، قوت تخیل کی بدولت ایسا نظر آتا ہے کہ وہ رعنائی کے باعث بس اڑا ہی چاہتا ہے، چنانچہ اس کے لئے قید و بندکی کرتے ہین، تاکہ وہ اس بلند پروازی سے باز آجائے ؎

ز شوخی بسکہ در پرواز بینم هر نفس گل را　　　چو بلبل می توان کردن ز گلبن در قفس گل را

دوسرا منظر دیکھئے پھول اپنے حسن و نزاکت پر ناز کرتا ہے، کہ معشوق سیر کو چمن مین آنکلا پھول کی رعنائی معشوق کے حسن کے مقابلے مین پھیکی نظر آئی، مولانا کی قوت تخیل نے سمجھا کہ پھول کا رنگ فق ہو گیا،

چون بہ سیرِ چمن آن دلبرِ طناز آید　　　رنگِ گل پیشتر از بوی بپرواز آید

اور منظر ملاحظہ ہو اسی پھول کو پھر دیکھتے ہین، بلبل اپنی والہانہ محبت مین سرشار اس پر ہر وقت بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے، غنی کی قوت تخیل بلبل کے پاؤن پر رگہائے گل کا ایک جال بن دیتی ہے،

هر رگِ گل رشتہ باشد بپای عندلیب　　　دام دیگر نیست حاجت از برای عندلیب

ہر پھول مین جو ذرے ہوتے ہین، ان کو زر گل کہتے ہین، نرگس کو چشم مست سے تشبیہ دیا کرتے ہین، ان دونون کے مجموعہ نے یہ خیال پیدا کیا، کہ چشم مست نے چونکہ بادہ کشی کا عام رواج پیدا کر دیا ہے اس لئے نرگس کے پاس جو کچھ زر تھا، وہ اس نے صرف کر دیا،

آن چشمِ مست بادہ کشی را چو عام کرد　　　نرگس زری کہ داشت ہمہ صرفِ جام کرد

یہان پر زر پر ایہام ہے

بہار کے دن ہین اور چمن کی رنگینی، مین نرگس نے بھی حصہ لیا ہے، لوگون پر مے نوشی کا شوق غلبہ پا رہا ہے، چنانچہ اس کی طیاری مین ساغر، مینا کی گردن پر رکھے ہوئے ہے، یہ تمام نظارہ یہ تخیل پیدا کرتا ہے کہ:-

در موسمِ بہار چو نرگس ز شوقِ مے　　　سر می کشند ز گردنِ مینا پیالہ ہا

وہی بہار ہے، بید ہوا مین لرز رہا ہے، نوک دار پتے تازہ تازہ نکلے ہین مولانا کی قوت تخئیل اس سے یہ مضمون پیدا کرتی ہے،

مجنون شدست بید کہ در موسم بہار | خونش بجوش آمد و خنجر بخود کشید

بید کے پتون کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی ہے،

غنی قوس قزح کو دیکھتے ہین، اس مین زرد رنگ غالب نظر آتا ہے، خیال کرتے ہین کہ قوس نے اپنی خوبصورتی اور بلندی پر تفاخر کرنا چاہا ہے، مگر جب ابروے یار کے ساتھ مقابلہ کیا ہے تو شرمندگی اور یاس سے رنگ متغیر ہوگیا ہے، ے

قوس قزح اگرچہ بگردون کشیدہ سر | ابروے یار دیدہ و رنگش پریدہ است،

سرو کو قد یار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین، مگر غنی خیال کرتے ہین کہ جب سرو نے معشوق کی قد کے ساتھ اپنی قامت کا مقابلہ کیا تو اپنی بے مائگی کا احساس ہوا، چنانچہ بھاگنے کی ٹھہرائی، مگر قمری نے جھٹ اپنی گردن کا طوق اس کے پاؤن مین ڈال دیا، تاکہ بھاگ نہ جائے،

از شرم قامتش سرو چون در گریز روکرد | قمری ز طوق گردن زنجیر پاے او کرد

(قمری کو سرو کا عاشق قرار دیا جاتا ہے)

اس سے بڑھکر تخئیل کی وسعت کیا ہوسکتی ہے، کوہ بیستون کی بلندی، صحراے نجد کی فراخی کا خیال مولانا کے دل مین عشق کی ہمہ گیری کا نقشہ قائم کرتا ہے،

عشق را دلے ست درپت و بلند روزگار | کوہکن در بیستون مجنون بصحرا بند شد

لوگ عام طور پر کمان کو کندھے پر ڈال کر لیجاتے ہین، غنی کو قوت تخئیل سے یہ نظر آتا ہے کہ کمان نے ابروے یار کی ہمسری کا دعوی کیا، مگر اس قدر خجلت اٹھانی پڑی کہ اس نے مارے شرم کے جان دیدی اور اسے کندھے پر اٹھا کر لاتے ہین،

کمان پیش دو ابروئیش بدعوی رفت از خجلت | تہی کرد آنچنان قالب کہ آوردند بر دوشش

ہلال کو دیکھا تو ابروے یار کا خیال آیا تخئیل نے ایک نئی توجیہ پیش کی کہ آسمان نے یار کے ابرو کا مصرع سونے کے پانی سے لکھا، لوگون نے اس کا نام ہلال رکھدیا،

گردون زشوق مصرع ابروے آن نگار | باآب زر رقم زدہ نامش ہلال شد،

تاکند دریوزۂ آتش بر گلشن از چنار | کاسہ بر کف ہست سرو از آشیان بلبلان

سرو کو انسان کے قد سے تشبیہ دیتے ہین اور بلبلون کے گھونسلے کی پیالہ سے مشابہت ظاہر ہے چنار کی نسبت یہ خیال ہے کہ اس سے آگ نکلتی ہے مولانا کی قوت تخئیل یہ منظر پیش کرتی ہے، کہ سرو کے ہاتھ مین پیالہ ہے اور وہ آگ کی بھیک مانگ رہا ہے، کس قدر لطیف تخئیل ہے،

پہلے آچکا ہے، کہ قوت تخئیل کی بدولت دنیا کے عام واقعات نئے نئے انداز مین نظر آتے ہین غنی بھی چونکہ ایک وسیع تخئیل کے مالک ہین وہ بھی عام چیزون مین نئے نئے معنی پیدا کرتے ہین، مثلاً ملاحظہ ہو، نماز کے قیام و قعود، رکوع و سجود، کو فرط اشتیاق سے تعبیر کرتے ہین،

از نماز م نیست مطلب غیر جست وجوے دوست | میروم از اشتیاق افتان و خیزان سوے دوست

زلیخا پاکدامنی کا دعوی کرتی ہے، مگر یہ ادعا اس قدر غلط تھا، کہ پیراہن یوسف کا چاک زلیخا کی پاکدامنی کا تمسخر اڑا رہا ہے،

چاک پیراہن یوسف بنود بے معنی | خندہ بر پاکئی دامان زلیخا دارد

چاک اور خندہ کی مناسبت لطیف ہے،

ایک اور جگہ فرہاد کے اپنے سر پر تیشہ مارنے سے یہ معنی نکالتے ہین کہ کسی سنگین دل کا ستم رسیدہ ہے،

ستم رسیدۂ سنگین دل است پنداری | کہ جاے دست بسر تیشہ می زند فرہاد

مولانا کو معلوم ہے کہ شمع کو زیادہ روشن کرنے کے لئے بتی کو ذرا کاٹ دیتے ہیں، تاکہ جلا ہوا حصہ جھڑ جائے
مگر قوت تخیل یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے، کہ تلوار کی دھار دم عیسیٰ سے بھی اچھی ہے،

دم بریدن سر شمع می کند روشن　　　　که خوشتر از دم عیسیٰ بود دم شمشیر،

تخیل کی ایک بڑی جولانگاہ حسن تعلیل ہے، غنی اس میدان کے بھی مرد ہیں، فرماتے ہیں:-

تہمت خانہ نشینی نہ پسندید بخویش　　　　ورنہ مجنون گلہ از سختی زنجیر نداشت

لطافت تخیل دیکھئے، مجنون زنجیرون سے اس لئے متنفر تھا کہ ان کی سختیاں شاق تھی، بلکہ وجہ یہ تھی کہ چونکہ
وہ خانہ نشینی کو پسند نہیں کرتا تھا اس لئے وہ یہ تہمت گوارا نہیں کر سکتا،

ہست میل خوردن پان گلرخان ہند را　　　　عاشقان گوئی کہ از خون خودش دادند آب

ہندوستان میں پان عام طور پر کھایا جاتا ہے، اگر مہ جبینوں کے لبان نازک پر تو اور ہی زیب دیتا ہے؛
مولانا کے تخیل نے یہ علت پیش کی ہے کہ عاشقوں نے اسے اپنے خون سے سینچا ہے، اس لئے معشوق اسے رغبت
سے کھاتے ہیں،

معشوق کی لمبی لمبی سیاہ زلفیں اس کے حنا بستہ پاؤن تک لٹک رہی ہیں، غنی فرماتے ہیں، کہ یہ تو لازمی
ہے اور اس کے ثبوت میں ان کی قوت تخیل نے تعلیل پیش کی، کہ چونکہ زلف کو سیاہ ہونے کی نسبت سے ہندو
کہا جاتا ہے اور ایک ہندو کے لئے آتش پرستی سے بڑھکر اور کوئی عمدہ کام نہیں، اس لئے مجبوراً سیاہ زلفیں سرخ سرخ
پاؤن کو بوسہ دے رہی ہیں،

کند دربوسۂ آن پائے نگارین سجدہ از زلفش　　　　بلے کارے بہ از آتش پرستی نیست ہندو را

"قوت تخیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے بالکل الگ ہوتا ہے،" (علامہ شبلی) اس میں شک نہیں
کہ منطقی اصولوں کے رو سے یہ استدلال غلط ہوتا ہے، مگر شاعر کے انداز بیان کی دلفریبی ہی سامع کو اس کی
طرف متنفت نہیں ہونے دیتی، مولانا غنی اکثر اس استدلال سے کام لیتے ہیں، مثلاً فرماتے ہیں،

عزت شاہ و گدا از زیر زمین یکسان است　　　　می کند خاک برائے ہمہ کس جا خالی،

قبر میں شاہ و گدا سب کی عزت یکسان ہوتی ہے، اس دعوی کو غنی یون ثابت کرتے ہیں کہ دیکھو زمین سبکے
لئے جگہ خالی کر دیتی ہے، یعنی تعظیم کرتی ہے،

یہ بات کہ جو ذلیل ہوتے ہیں، انھیں اپنی ذلت کی پروا نہیں ہوتی، اس کو غنی اس طرح ثابت کرتے ہیں:-

از تنزل پست فطرت را نباشد ہیچ باک　　　　بیم افتادن نباشد ہر کہ باشد نے سوار

کمینہ آدمی کو اپنی ذلت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا، کیونکہ جو شخص سرکنڈے کے گھوڑے پر سوار ہو
اسے گرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے؟

چاند کے داغ دیکھتے ہیں تو قوت تخیل یہ استدلال پیش کرتی ہے، کہ یہ کلنک کا ٹیکہ اس لئے ہے کہ چاند اکتساب
نور کی بدولت خورشید کا شرمندۂ احسان ہے، چنانچہ فرماتے ہیں،

کاسۂ خود پر مکن زنہار از خوان کسے　　　　داغ از احسان خورشید است بر دل ماہ را

چشم کرم مدار ز شاہان کہ جز نمد　　　　آئینہ خلعتے ز سکندر نیافت است

صاف طینت لوگوں کو بادشاہوں اور امیروں سے لطف و کرم کی توقع رکھنا فضول ہے، ثبوت یہ
ہے کہ آئینہ نے بجز نمد کے اور کوئی خلعت سکندر سے نہیں پائی،

روزی کی تنگی کو اس طرح ثابت کرتے ہیں،

خوشہ چینان را درین مزرع امید توشہ نیست　　　　حاصل خرمن افلاک جز یک خوشہ نیست

ناداروں کو اس دنیا سے کوئی توقع نہیں ہو سکتی، کیونکہ نہ افلاک کا حاصل صرف ایک ذرۂ دین کا خوشہ ہے
حجام کی تعریف کی ہے، کہ استغنا سے اس کا کیسہ اس قدر پر ہو چکا ہے، کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، اس کا
بدیہی ثبوت یہی ہے، کہ وہ کسی کے ہاتھ سے بجز ناخن کے اور کچھ نہیں لیتا،

زلفِ تو بے نیازی کیسۂ او تحنان پر شد | کو ز دست کسے چیزے بجز ناخن نمی گیرد

یہان ناخن گرفتن پر ایہام ہے، ناخن گرفتن ناخن کاٹنا، ع

ناخن چو شد بلند گرفتن سزائے اوست (حاجی گیلانی)

تخیل کی بے اعتدالی — غنی تخیل کا استعمال اس قدر کرتے ہین کہ اعتدال سے تجاوز کرجاتے ہین، سچ پوچھئے تو یہی انکی شاعری کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے، تخیل کو استعمال کرنے کا بڑا موقع مبالغہ مین ملتا ہے، چونکہ مبالغہ مین اصلیت کی ضرورت نہین ہوئی اس لئے خیال بندی کے لئے میدان وسیع ہوتا ہے، اور استعارہ در استعارہ سے اشعار اور بھی چیستان بن کر رہ جاتے ہین، نمونے ملاحظہ ہون،

معشوق کے دم زندگی بخش کی تعریف مین فرماتے ہین،

دم جان بخش رو تا رنگ حیرت ریخت در عالم | زمہر آئینہ درپیشِ نفس دیدم مسیحا را،

معشوق کے دم جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے، کہ دنیا کجا حضرت عیسٰی اس قدر دقف تحیر وسکوت ہوگئے ہین کہ ان کی زندگی تک کا شک پڑگیا ہے، اور اس لئے آئینۂ آفتاب سامنے رکھا گیا ہے، تاکہ ان کی حیات کا احساس ہو،

طفل اشکم گر بیازی می رود بصحرا آورد، | کاغذ بادی شمارد ابر دریا بار را

(اگر میرے اشک کا لڑکا کھلنا ہوا صحرا کی طرف آنکلے تو ابر دریا بار کو بھی پتنگ خیال کرے)

مطلب یہ ہے، کہ مین اس قدر روتا ہون کہ "ابر دریا بار" کی بھی اس کے مقابلے مین کچھ حقیقت نہین، یہان تو صحرا کے صحرا سیل زدہ ہوجاتے ہین، تخیل کی مزید بے اعتدالی دیکھئے کہ اگر طفل اشک باندھا ہے، تو اس کے لئے کھیل کود میدان سامان لہو سب کا فکر کرتے چلے جاتے ہین،

۳۔ معشوق کے شغف شانہ کشی کو مبالغہ سے بیان کرتے ہین مگر بے اعتدالی نے مار زلف کے دانت مہیا کرنے پر مجبور کیا ہے،

دندانِ مار گرچہ بافسون توان کشید | از زلفِ او جدا نتوان کرد شانہ را

۴۔ چشم سیاہ کی توصیف کی ہے، اگر سیاہی کا اثر صرف نام لینے سے ہی زبان تک پہونچا دیا ہے،

از بسکہ وصفِ چشم سیاہ تو کردہ ایم | گردید میل سرمہ زبان در دہانِ ما

۵۔ عام طور پر تنگ دہنی خوبصورتی مین داخل سمجھی جاتی ہے، شاعرون کے تخیل نے اسے چھوٹا کرتے کرتے نقطہ اور پھر نقطہ موہومہ بنادیا[1]، مولانا نے اسے معدوم کیا تو اسی تخیل مین اپنی ہستی کو بھی نیست کرنے کو تیار ہوگئے،

بگذر از خویش چو بینی دہنِ یار غنی | دل بہ ہستی چہ دہی راہ عدم درپیش است

تشبیہات کے استعمال مین بھی سر رشتۂ اعتدال ہاتھ سے چھوٹ جانے کا احتمال ہوتا ہے، بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دیتے ہین، پھر دوسری کی جس قدر خصوصیتین ہوتی ہین وہ پہلی مین ثابت کرتے چلے جاتے ہین، غنی اس بارے مین اکثر لغزش کھاتے ہین، چنانچہ ان کے دیوان مین اس قسم کے متعدد شعر دیکھنے مین آئے ہین، مثلاً:۔

پہلے کمر کو بال سے تشبیہ دی ہے، پھر بال کے تمام خصائص، آنکھ مین پڑنا، کاسہ کا چرخ سے جدا کرنا وغیرہ ثابت کئے ہین،

(۱) دیدم میان یار و ندیدم دہان یار | نتوان بہ ہیچ دید چو در دیدہ مو فتد

قاعدہ ہے جب آنکھون مین بال پڑتا ہے تو چبھتا ہے، پھر آنکھین کھولی نہین جاتین، غنی کہتے ہین مین نے معشوق کی کمر دیکھی، لیکن اس کا منہ نہ دیکھ سکا، کیونکہ جب آنکھون مین بال پڑجاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہین آتی

موئے میان تو شدہ کرالین | کردجدا کاسۂ سر ہا ز تن،

کرالین وہ بال ہوتا ہے جس سے کوزہ گر کاسہ کو چرخ سے جدا کرتے ہین، غنی کہتے ہین، تیری کمر کا بال اب کرالین بن گیا ہے، اور کئی کاسۂ سر تن سے جدا کئے ہین، کرالین کی نسبت سے کاسۂ تن وغیرہ سب آئے ہین،

---

[1] کردے بہ نطق نقطۂ موہومہ را ادنیم | ای ناقضِ کلامِ حکیمان بیان تو

[2] شعر العجم ج ۴، ص ۱۵۴،

از کنارم دخترِ رز کرد تا پہلو تہی   کارِ من اکنون غنی با طفلِ اشک افتادہ است

مطلب یہ ہے، کہ جب سے شراب چھوٹی ہے، غم و رنج سے آنسو بہا رہا ہون، شراب کو دخترِ رز کہا جاتا ہے، مگر تخیل کی بے اعتدالی نے مولانا کو دختر کی مناسبت سے طفل کو بھی ساتھ لانے پر مجبور کیا ہے، نورالعین واقف کا شعر اسی مضمون مین اس سے بھی زیادہ حد سے تجاوز کر گیا ہے، ؎

ہم صحبتِ دخترِ رز کرد ملولم،   اے شیخ ترا گر پسرے ہست بمن دہ

۴۔ خضاب موے زلیخا گر کند یوسف   کہ بردہ است سیاہی ز دیدۂ یعقوب

یوسف شاید زلیخا کے بالون مین خضاب لگانے جاتے ہین، کہ انھون نے یعقوب کی آنکھ سے سیاہی لے لی ہے،

نابینائی مین آنکھ کی سیاہی زائل ہوجاتی ہے حضرت یعقوبؑ بیٹے کی فراق مین نابینا ہو گئے تھے اس سے غنی خیال کرتے ہین کہ حضرت یوسفؑ نے باپ کے آنکھ کی سیاہی اس لئے لی ہے، کہ موے زلیخا کے لئے وسمہ کا کام دے، تخیل کی بے اعتدالی اس سے بڑھکر کیا ہوگی، کہ آنکھ کی سیاہی کا وسمہ لگا رہے ہین،

۵۔ ز بس نمود جزو جزو دم نقشِ ابروے تو جا دارد   شود قوسِ قزح ہر گہ پرد رنگی ز رخسارم

بہ نقشِ ابرو اس طرح میرا جزو بدن بن گیا ہے، کہ اگر کسی وجہ سے میرا رنگ اڑتا ہے تو قوسِ قزح کی شکل اختیار کر لیتا ہے،

مولانا کہنا یہ چاہتے ہین، کہ وہ خیالِ یار مین اس قدر محو ہین، کہ فنا فی المعشوق کی حد کو پہونچ گئے ہین، مگر تخیل کے بے جا استعمال نے ایک دور از کار اور فرضی تشبیہ پیدا کر دی ہے،

دیکھئے اس نکتہ کو جامی کس خوبی سے ادا کرتے ہین، ؎

بس کہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی   ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی،

دلہاے عاشقان بہ رہ دوست آب شد   اما بپاے نازکِ او شیشہ پارہاست

گو عاشقون کے دل دوست کی راہ مین پگھل گئے ہین، لیکن اس کے نازک پاؤن مین شیشہ کے ذرون کی طرح چبھ رہے ہین، دل کو شیشہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین مگر غنی اس شیشہ کے ٹکڑے کو معشوق کے پاؤن مین چبھو دیتے ہین،

مثالیہ غنی کی شاعری کی دوسری خصوصیت مثالیہ کا کمال ہے، شاعری کی اس صنف کا آغاز خسرو سے ہوا، اور انجام صائب پر، مگر غنی نے اسے اس قدر ترقی دی کہ خاص فن بنا دیا غنی کا استدلال نہایت عمدہ اور شاعرانہ ہوتا ہے، ذیل کی مثالون سے اندازہ ہوگا،

۱۔ در نگر بستن مضمون رنگین لطف نیست   کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را

۲۔ با تو نزدیکم و سے دورم ز فیضِ عامِ تو   موم در زیرِ نگین خالی ست از نقشِ نگین

۳۔ توکل پیشہ را روزی بدستِ خویش می باشد   مکد انگشت خود کودک چو بنود شیر پستان را

۴۔ نصیبے نیست از اہلِ کرم برگشتہ بختان را   کہ ہرگز بر نسازد کاسۂ گرداب را دریا،

۵۔ می نوازد سازِ عیش آندم کہ طالع یافت قوت   باشد از پاے مگس مضرابِ تارِ عنکبوت

۶۔ بے ریاضت نہ شود نشۂ عرفان حاصل   تا کدو خشک نگردید مے ناب نیافت،

۷۔ توان از چرب و نرمی کرد اسیرِ خویش سرکش را   کنارِ شمع دایم شعلہ را زنجیرِ پا باشد،

۸۔ زند ربط بہم پیوستگان را گفتگو برہم   سخن چون درمیان آید دو لب از ہم جدا گردد

۹۔ رفیقِ اہلِ غفلت ہر کہ شد از کار می ماند   چو پاے خفتہ پاے دیگر از رفتار می ماند

۱۰۔ نمی سازد غذای چرب زائل ضعفِ پیری را   کمان را گرچہ روغن می دہی فربہ نمی گردد

۱۱۔ نباشد دل ز یار گرم خوبر داشتن آسان   ز آتش چون سپند افتد جدا، گرمِ فغان گردد

۱۲۔ نیست حسنِ بے بقا شایستۂ دل بستگی   با چراغِ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

پکار اٹھتے ہیں ؎

خوشا عہدے کہ مردم آدم بے سایہ را دیدند | عجب است این زمان گر سایۂ آدم شود پیدا

روحانی امور میں استدلال اور قیاسات کی بیچارگی اکثر شاعر بیان کرتے ہیں، مگر غنی نے جس تشبیہ سے ثابت کیا ہے وہ نہایت پرزور اور معنی خیز ہے، ؎

دل باستدلال بستم ماندم از مقصود دور | زدبان کردم قصور راہ ناہموار را

لوگ اپنی سالگرہ کی خوشی مناتے ہیں، مگر مولانا فرماتے ہیں، اس سے تو الٹے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک سال عمر کا کم ہوگیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی قابل غور ہے کہ گرہ دینے سے تاگے کی لمبائی کم ہو جاتی ہے، ؎

گشت چون رشتۂ عمرم کوتاہ | معنیِ سالگرہ فہمیدم

غنی دنیا کی نیرنگیاں عجیب تشبیہ سے ثابت کرتے ہیں، تلک الایام نداولھا بین الناس

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن | کہ روشن کرد نور دیدہ اش چشم زلیخا را

یعقوبؑ کی مصیبت دیکھئے کہ ان کا وہی لخت جگر جس کے فراق میں وہ آنکھیں کھو بیٹھے ہیں ایک اور انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنتا ہے،

مختلف نمونے ملاحظہ ہوں،

کاروان بگذشت و من از کاہلی ماندم براہ | ہر خواب ما ہم آواز جرس افسانہ شد

نیست حسن بے بقا شایستۂ دلبستگی | باچراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

جز آبلۂ پائے من امروز درین دشت | جرسے نہ بود قافلۂ ریگ روان را

رفتیم سوے یار ندیدیم رُخے بار | مانند رہروے کہ رود رو بہ آفتاب

ایہام | مولانا کی طبیعت ایہام کی طرف بہت مائل ہے، چنانچہ محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء (قلمی نسخہ) میں لکھتے ہیں، .... "اکثر شعرش بطرز ایہام است و در طرز ایہام بندی تلاش اداو دلبیاک

خوب می بندد طبعش برایہام این قدر راغب بود، کہ روزے مطلع تازہ گفتہ پیش محمد علی خواند ؎

بے چراغ است اگر بزم خیالم غم نیست | مصرعۂ ریختہ شمع است کہ در عالم ہست

"مرزا .... بطرز الیشان فرمود، گفت مصرع ریختہ کہ در عمر خود گفتہ باشد ہمین خواہد بود"

ان کے اکثر شعروں میں مضامین کی بنیاد الفاظ پر ہوتی ہے یعنی لفظ کے لغوی معانی کو حقیقی بات قرار دیکر اس پر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہیں، مثلاً یہ شعر ؎

امروز منم شہرۂ عالم زنجیفی | عمریست کہ از ضعف فتادم بزبانہا

"زبان افتادن" کے اصطلاحی معنی مشہور ہونا ہے، لیکن لغوی معنی زبان پر چڑھنا، مولانا انھیں معنوں کو لے کر مضمون قائم کرتے ہیں، کہ کمزوری میں میں کچھ آج سے مشہور نہیں، مدت سے زبانوں پر چڑھ گیا ہوں اور ساتھ ہی ضعف کی رعایت سے کہا ہے، کہ میں اس قدر ضعیف ہوں کہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھا پھرتا ہوں،

نمی بینم نہالے سایہ افگن بر سرِ مجنون | مگر گاہے کہ بنشیند بزیر شاخ آہوئے

میں نے ایک درخت کو بھی مجنوں کے سر پر سایہ ڈالتے نہیں دیکھا، البتہ کبھی کبھی ہرن کے سینگ کا سایہ مل جاتا ہے، یہاں شاخ پر ایہام ہے،

کسے کہ زندہ بہ اظہار زندگی باشد | دمی کہ گشت زدعوی خموش گویا نیست

"گویا" کے دو معنی ہیں، بولنے والا اور حرف تشبیہ؛ یہاں دونوں کو لیکر ایہام پیدا کیا گیا ہے،

کسے بپرسش احوال من نمی آید | بغیر گریہ کہ آمد بحال خویش مرا

یہاں گریہ آمدن کے لغوی معنوں کو لے کر مضمون کی بنیاد قائم کی گئی ہے،

دم بریدن سر شمع می کند روشن | کہ خوش تراز دم عیسیٰ بود دم شمشیر

یہاں دم، وقت، سانس، اور دھار کے سہ گانہ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے،

فراغتے بہ نیستان بوریا دارم | مباد راہ درین بیشہ شیر قالی را

۱۳- میر سد روزی بہر کس در خور ہمت زغیب — کے بدام عنکبوت افتد شکارے جز مگس

۱۴- ہست شہرت طلب آنکس کہ کمالے دارد — ہرگز انگشت نما بدر نباشد چو ہلال،

۱۵- وقت پیری بے مذاقِ تلخ نتوان زیستن — کے تواند داشت بے فلفل کسے کافوررا

۱۶- خرقِ عادت کے بکار آید دل افسردہ را — گر رود بر آب (؟) معتقد شد مردہ را

۱۷- رسوا بود کسے کہ سخن چین بود غنیؔ — ہرجا کہ خامہ ایست زبانش بریدنست

جدت ادا و مضمون آفرینی

فارسی شاعری کے دورِ اول کی خصوصیت سادگی اور بے تکلفی تھی، مگر ترقی کے ساتھ طرزِ ادا مین بلاغت اور اسالیبِ بیان مین زیادہ رنگینی آتی گئی، حتی کہ باریک بینی اور دقت آفرینی تک نوبت پہونچی بال کی کھال نکلنے لگی، تشبیہین بعید از کار، اور استعارات پیچیدہ ہو گئے، اور شاعری محسوسات سے نکل کر طلسم خانہ خیال مین گم گئی، غنی کا عہد فارسی شاعری کا آخری دور تھا، مضامین اس وقت تک اس قدر فرسودہ ہو چکے تھے، کہ غنی خود اس کا ذکر کرتے ہین، ؎

از بسکہ شعر گفتن شد مبتذل درین عہد — لب بستن است اکنون مضمونِ تازہ بستن،

تاہم مولانا انھین مضامین کو جو مدتون جولانگاہِ خیال رہے، اس جدت سے ادا کرتے ہین، اور انھین پرانی باتون مین ایسے نکتے پیدا کرتے ہین کہ شعر دل پذیر ہو جاتا ہے، ذیل مین چند مثالین پیش کی جاتی ہین،

۱- دنیا مین اپنا عدم وقار اس طرح ثابت کرتے ہین،

بارہا سایہ سنجیدیم خود را در وقار — از تمکین بر زمین بنشست و ما بر خاستم،

ہم نے کئی مرتبہ اپنے وقار کا سایہ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے مگر وہ زیادہ وزندار ثابت ہوا ہے)

کیونکہ یہ مسلم ہے کہ انسان جب اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے،

۲- غنی عدم جہ کی خودداری کے مدعی ہین، اس نکتہ کو کہ جب کسی مجلس مین انسان کی توقیر و تعظیم مین فرو گذاشت ہو تو وہان سے اٹھ جانا ہی بہتر ہے، نہایت جدت سے ادا کرتے ہین،

کس پے تعظیم ما از اہل مجلس بر نخاست — بہرپاسِ عزت آخر خود زجا بر خاستم

دیکھیے معشوق کے خط کی تعریف مین غنی کا وہ مشہور شعر جس نے صائب اور بیدل سے خراجِ تحسین وصول کیا، کس انوکھی تشبیہ کا حامل ہے، ؎

حسن سبزے بخطِ سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

صائب نے اسی شعر پر کہا ہے، ؎

خطِ سبز آفت جان بود نمی دانستم — دام در سبزہ نہان بود نمی دانستم

اربابِ نظر جانتے ہین کہ یہ چبائے ہوے نوالہ کا چبانا ہے، اس مین وہ لطافت نہین رہی،

غنی ساغر بکف جمشید پیش میفروش آمد — کہ شاید در بہاے بادہ گیرد ملک دنیارا

جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی اور اس کا شمار بڑی قیمتی چیزون مین کیا جاتا تھا، مولانا فرماتے ہین کہ جمشید وہی جام جہان نما لے کر میفروش کی خدمت مین حاضر ہوتا ہے اور اس کے عوض دو چار گھونٹ بادہ لینے کا متمنی ہے، مگر پھر بھی وثوق نہین شاید میفروش اسے مہنگا سودا خیال کرے، دیکھیے کتنا وسیع مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے،

تنورِ بارقہ کا ہیبت ناک نظارہ اللہ تعالیٰ کی صنعتِ کاملہ کا تحیر انگیز نمونہ ہے، مولانا غنی کی مضمون آفرینی ملاحظہ ہو، ؎

چون بزم افروزِ ضعِ خویش گردد قدر بیچون — چراغِ برق را در بادو باران می کند روشن

مشہور ہے کہ جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی، مگر غنی اس سے دنیا کی تنگی کا استدلال کرتے ہین،

غنیؔ تا چند پرسی دستگاہِ اہل دنیا را — کہ باشد وسعت آن از حصارِ جامِ جم پیدا

ہم پہلے کہہ آئے ہین کہ غنی کے زمانہ مین قحط الرجال کا یہ عالم تھا کہ حضرت اورنگ زیبؒ کے دل سے حق آگاہ بھی "واہ" نکلتی تھی، غنی اس وقت کا مقابلہ عہدِ رسالت سے کرتے ہین تو ایسا مین فرق معلوم ہوتا ہے کہ بے اختیار

(مجھے اپنے بوریا پر وہ فارغ البالی نصیب ہے کہ مین نہین چاہتا کہ جاہ و احتشام کی کوئی علامت بھی مجھے میسر آئے)

یہان شیر قالی پر ایہام ہے اور کنایہ ہے، تنعم اور تمول سے،

مثالون کے انبار لگانے کی ضرورت نہین، مولانا کو اس صنعت مین اس قدر شغف ہے کہ وہ ضلع جگت کی حد کو بھی پہونچ جاتے ہین، مثلاً:-

لبش لعل و دہن سوراخ آن لعل ۔ شدہ از خوردن پانش زبان لعل

کہ حسن گلرخان پا در رکاب است ۔ کند، ہر قدم فریاد خلخال

مگر رحمے کہ از بالا فتادم ۔ چو دیدم قامت از پا فتادم

دقت پسندی قدما کے وقت مین چونکہ شاعری کا آغاز تھا اور نئے مضامین کی کثرت تھی، اس لئے ان کی تشبیہین صاف اور سادہ ہوتی تھین، مگر بمرور زمان تمام مضامین بندھ چکنے کی وجہ سے ختم ہو چکے، قریب الماخذ تشبیہات کام آچکے، تو مجبوراً متاخرین کے لئے بغیر تکلف اور آورد کے اور کوئی میدان نہ رہا، اور استعارہ در استعارہ اور دور از کار تشبیہات سے کام لینا پڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر شعر چیستان بن کر رہ گئے، مولانا غنی بھی اپنے آپ کو اس ورطہ سے نہ نکال سکے، اسی بناء پر جب عنایت خان ابن ظفر خان نے اشعار کے پیچیدہ ہونے کو قابل اعتراض قرار دیا، تو مولانا نے فرمایا "تا حال اعتمادے بر شعر فہمی عنایت خان داشتم امروز آن اعتماد برخاست"

ہم بخوف طوالت صرف دو تین مثالون پر قناعت کرین گے، ع

زہر آئینہ در پیش نفس دیدم مسیحا را ۔ دم جان بخش او تا رنگ حیرت ریخت در عالم

معشوق کے دم جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی حیرت سے بے ہوش ہو گئے ہین اور ان کی زندگی کے احساس کے لئے آفتاب کا آئینہ ان کے منہ کے سامنے رکھنا پڑا ہے، اب اس شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے:

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاے موتی کا معجزہ منسوب کیا جاتا ہے،

۲۔ جب کسی آدمی کی نسبت معلوم کرنا ہو، کہ آیا مر چکا ہے، یا ابھی رمق جان باقی ہے، تو آئینہ منہ کے سامنے رکھتے ہین، کیونکہ سانس اگر آتا ہوتا ہے، تو آئینہ مکدر ہو جاتا ہے،

۳۔ حضرت عیسیٰ کا مسکن آسمان چہارم خیال کیا جاتا ہے، اور آفتاب کا محل گردش بھی پرانے نظام ہیئت کے مطابق وہی قرار دیا جاتا ہے اسی نسبت سے آئینہ آفتاب باندھا ہے،

۴۔ معشوق کے کلام کو زندگی بخش کہتے ہین،

اب غور کیجئے ان تمام چیزون کے لانے سے شعر کس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے، ع

چو کلکم شکل زنجیرست از نقش قدم پیدا ۔ بدست از زلف او تا سر خط دیوانگی دارم

(جب میرے ہاتھون مین اس کی زلفون کی عطا کردہ دستاویز دیوانگی موجود ہے، میرے نقش قدم میرے لئے قلم کے حروف کی طرح زنجیر بنے ہوئے نظر آتے ہین)

مطلب یہ ہے کہ مجھے ان عنبر بیز زلفون نے دیوانہ کر دیا ہے، مگر مین ان مین اس قدر گرفتار ہون کہ ان کے ارد گرد پھرتا رہتا ہون، اور کہین نہین جا سکتا، مولانا نے صرف اپنی انتہائی گرفتاری اور فریفتگی کا اظہار کیا ہے، مگر نہایت پیچیدہ طریقہ سے جس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے، کہ خوانندہ اس سے واقف ہو کہ جب ایک شخص از خود رفتگی مین کسی چیز کے ارد گرد پھرتا ہے، تو اس کے نقش قدم اس بے نظمی مین ایسی ترتیب اختیار کرتے ہین جو زنجیر کے مشابہ ہوتی ہے؛

زناخنہا گرہ چون غنچہ افتادست در کارم ۔ مرا از دست این مشکل کشایان دل بتنگ آمد

مطلب یہ ہے کہ ان عقدہ کشاؤن کے ہاتھون مین تنگ آچکا ہون، کیونکہ انکی سعی سے تو اور بھی میری مشکلین بڑھ جاتی ہین، شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کا سمجھنا ضروری ہے،

گرہ در کار افتادن سے مراد کام مین پیچیدگی پیدا ہونا اور توقف پڑنا، ناخن ہائے غنچہ سے مراد وہ برگ سبز ہین جو غنچہ کے نیچے ہوا کرتے ہین اور چونکہ انکے درمیان غنچہ کی گرہ ہوتی ہے اس لئے اسی تمثیل سے گرہ کار کی ناکشودگی ثابت کی گئی ہے، (باقی باقی)

پرنس کاتانی کی اطالی تواریخِ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ،

فصلِ دوم

یورپ اور دنیائے اسلام کی اس باہمی جنگ و جدال کو زمانۂ قدیم مین ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے
اور آیندہ بھی حاصل رہے گی، کیونکہ تہذیبِ حاضرہ، ایشیا کے پرانے اور قدامت پسند تمدن پر جو تجزیہ و تحلیل کا عمل کر رہی
ہے، مسلمان اقوام مین اس کے ردِ عمل اور مقابلہ کی ناقابلِ تسخیر قوت موجود ہے، یہ کشمکش کئی مختلف پہلو رکھتی ہے
اور مورخ کے سامنے بہت سے مسائلِ مہمہ پیش کرتی ہے، لہذا ایسے اہم ملاحظات کے لیے میدان کھلا ہے اور
مطالعہ و تحقیق کے لیے بہت سا مواد موجود ہے، عیسائی کلیسا کی رائے مین ظہورِ اسلام ایک بڑی مصیبت تھی جو اس
پر نازل ہوئی، کیونکہ اسلام نے اس کے بہت سے پیرو ہمیشہ کے لیے توڑ لیے اور اسے بعید اخلاقی اور مادی نقصانات
پہنچائے، مگر وہ کتاب ابھی تک قلمبند ہونے والی ہے جو اس بھلائی اور فائدہ کو دکھلائے جو اس مذہب نے
عیسائیت کو اس کے بیمار اور ناکارہ اعضاء کو قطع کرکے اور اس کو ایک سخت امتحان مین ڈالکر پہنچایا ہے، کیا
پروٹسٹنٹ اصلاح نے ایک مفید اثر پیدا نہین کیا تھا جس کی بدولت فرقۂ کیتھولک کا تنزل رک گیا؟ ہمارا
ارادہ اسلام کی مدافعت مین کوئی کتاب لکھنے کا نہین ہے، کیونکہ ہمارے فرائض مین سے ایک یہ بھی فرض ہوگا

کہ ہم ان بیشمار غلطیون اور ناگفتہ بہ مصائب کو انصاف کے ساتھ بلا رعایت بیان کرین جنھین اس جنگجو مذہب نے نوعِ انسان
کو مبتلا کیا، مگر بہت مناسب ہوگا کہ اسلام کے مطالعہ کے دوران مین ہم اس افسوسناک منظر کو فراموش نہ کرین جو ساتوین
صدی مسیحی کے وسط مین سلطنت بزنطینی کے اخلاقی اور سیاسی حالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہین، اس بات کو
بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ وہ "ارتھوڈوکس عیسائیت" جس کے یونانی اور روسی لوگ ہمیشہ سے معتقد رہے ہین اور
جس نے ساتوین صدی سے لیکر آج تک ترقی کی طرف ایک قدم نہین بڑھایا، (عدمِ ظہورِ اسلام مین) کیا صورت
اختیار کرتی، ہم اس پر یہ بھی اضافہ کر سکتے ہین کہ عیسائیت کے مختلف فرقون مین جو اس وقت موجود ہین، اور
تھوڈوکس فرقہ بوجہ اپنے جمود کے جو تنزل و ادبار کے مساوی ہے، بلاشبہ سب سے زیادہ بدنصیب ہے، کوئی نہین
کہہ سکتا کہ مشرقِ قریب اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ کا کیا انجام ہوتا اگر اسلام پیدا نہ ہوتا اور زوال پذیر اور ظلمت زدہ
کن عیسائیت ہی اس وقت سے لیکر آج تک بلاشرکتِ غیرے حکمرانی کے لیے باقی رہتی اور (عہدِ اسلام کی) اس عظیم الشان
عربی ایرانی تہذیب کی پیدائش مین سدِ راہ ہوتی جس نے قرونِ وسطیٰ کی تاریک صدیون مین دنیا کو روشن و
منور رکھا، جو شخص مشرق کی سیاحت کرے وہ ارتھوڈوکس فرقہ کی پستی کو بمقابلہ دوسرے عیسائی فرقون مثلاً
کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے بچشمِ خود ملاحظہ کر سکتا ہے، اور اس تنقید کے مفہوم و معنی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جو بعض
اصحاب کو شاید غیر منصفانہ معلوم ہو، ظہورِ اسلام سے پہلے ہی مشرق مین ارتھوڈوکس فرقہ توسیع و اشاعت کی
تمام قوت کو ضایع کر چکا تھا، ساتوین صدی کے عیسائیون نے اپنے تمام قوی کو بے سود مذہبی جھگڑون اور
مباحثون مین صرف کر رکھا تھا اور قدیم عیسائیت کے اعلیٰ مقصد و مدعا یعنی تمام نوعِ انسان کو دینِ حق کی تبلیغ
کرنے اور ان کو ابدی ہلاکت سے بچانے سے بالکل غافل ہو چکے تھے، اور تھوڈوکس عیسائی پیشتر ہی سے اتنے
کمزور ہو چکے تھے کہ جب نئے اسلام کے ساتھ معرکہ پیش آیا تو ان کی کمزوری ان کے لیے لازمی طور پر مہلک ثابت
ہوئی، یونانیون کی اخلاقی اور فوجی کمزوری اور ساسانیون کا سیاسی انحطاط بدرجۂ مساوی تھے، اسی طرح
مجوسی مذہب بھی فرسودہ ہو چکا تھا، غرض یہ کہ مشرقِ قریب ایسے دو تمدنون کے بوجھ کے نیچے کراہ رہا تھا

جن کی اندرونی قوت افروز در بالکل ختم ہو چکا تھا جنھین احیاء اور نوزائیدگی کی قوت ناپید تھی اور جو درحقیقت پیرانہ ضعیفی کے مارے بالکل ناتوان و نزار ہو چکے تھے،

پھر اچانک دین اسلام نے ظہور کیا، اس کا ظہور گویا تباہی اور بربادی کا تہدید آمیز پیغام تھا، اس کے اصول اگرچہ عیسائیت کے مثل اعلیٰ نہ تھے، مگر ایشیائی اور افریقی اقوام کیلئے زیادہ قریب الفہم[1] تھے، ان اصول کی بدولت اسلام نے آغاز ہی سے ایسی ناقابل تسخیر قوت پیدا کر لی جس سے وہ آسانی کے ساتھ مسیحی دین پر غالب آگیا، اس دین جدید نے کمزور اور ضعیف اقوام مین ایک برقی لہر دوڑا دی، ان کے فرسودہ جسمون کو حیات تازہ بخشی اور ایک عظیم الشان تہذیب پیدا کی، اگرچہ اس کا تبلیغی زور زیادہ تر صرف ہو چکا ہے، مگر وہ آج بھی دنیا کی زبردست روحانی یا اخلاقی قوتون مین سے ایک قوت ہے اور ایشیا اور افریقہ مین عیسائی خیالات و عقائد کی اشاعت مین سد راہ ہے،

فصل سوم

ان مختصر ملاحظات سے اس بات کا سمجھنا آسان ہوگا کہ اسلام کی نسبت ہمیشہ سے عیسائیون کے کیا خیالات و احساسات رہے ہین اور کس طرح مدت دراز سے عیسائیون اور مسلمانون کے باہمی تعلقات کی کچھ ایسی نوعیت رہی ہے کہ اس نے فریقین کو ایک دوسرے کے متعلق دلچسپی سے بے لاگ رائے قائم کرنے سے باز رکھا ہے، ان دو مذہبون کے درمیان اتنی مدت سے اور ایسی شدت سے لڑائی ٹھنی رہی ہے کہ ان کے پیرو ہمیشہ سے صرف خوف اور گہری نفرت کے جذبات سے متاثر رہے ہین، اور بوجہ دنیوی روایات کے یہ نفرت و حقارت ان کی طبیعت مین راسخ ہو گئی ہے، اور اس عہد مین بھی نفرت کی یہ آگ ترکون کی غلطیون کے سبب کئی بار مشتعل

[1] یعنی ایشیا اور افریقہ کی وحشی و غیر مہذب اقوام کے فہم و ذہانت مسیحیت کے اصول عالیہ کی حقیقت عالیہ تک پہنچنے سے قاصر تھی مگر مصنف علام اس امر واقعہ کے متعلق کیا ارشاد فرمائین گے کہ عہد حاضر مین متمدن اور مہذب یورپ مین بھی تربیت یافتہ آبادی کا معتدبہ حصہ مسیحیت کی بعید الفہم تعلیم سے قطعی بیزار ہو چکا ہے (مترجم)

ہو چکی ہے، کئی صدیون تک عیسائیون اور مسلمانون نے اس طور پر زندگی بسر کی ہے اور اب بھی بسر کر رہے ہین کہ ان کے دل و دماغ باہمی تعصبات اور بدگمانیون سے مکدر رہے ہین جو نقصانات کی یاد انتقام کے جذبہ اظہار نفرت کی خواہش اور شدید مذہبی جوش کا نتیجہ ہین، اگرچہ جغرافی، سیاسی اور تجارتی وجوہات سے ان کے مابین ہمیشہ میل جول قائم رہا ہے، تاہم باہمی تنفر اس قدر شدید رہا ہے کہ فریقین مین سے کوئی بھی دوسرے فریق کے مذہب پر نظر التفات کرنے اور اس کا اطمینان و سکون کے ساتھ مطالعہ کرنے کا روادار نہ تھا، ہر ایک از خود خیال کرتا تھا کہ دوسرا فریق گمراہ ہے اور اس لیے توجہ یا التفات کا مستحق نہین، یہ صرف انیسوین صدی کی علمی تحریک اور محققانہ میلان کی مقدم فضیلت ہے کہ شائستہ اور مہذب اشخاص کی ایک محدود جماعت اپنے دنیوی دشمن کا بلا رو رعایت مطالعہ کرنے پر راغب ہوئی اور ان لوگون کی بڑھتی ہوئی تعداد جو اپنی قابلیت کو ان تحقیقات مین صرف کرتے ہین، صاف بتا رہی ہے کہ موجودہ نسل نے آخر کار اس مضمون کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے،

اگرچہ اٹھارہوین صدی کے عیسائی، اسلامی اصول و عقائد سے اسی قدر نابلد تھے جس قدر ان کے ساتوین صدی والے آبا و اجداد، مگر یہ قول انیسوین صدی کی آخری نسلون پر صادق نہین آسکتا، اس بات کو ملاحظہ کرنا خالی از دلچسپی نہین کہ کس طرح اسلام کے متعلق علماء کی دقیقہ شناسی نے مسیحیت کے مبادی اور منابع کی علمی تحقیق کے قدم بقدم ترقی کی ہے، تحقیق و تفتیش کے ان دونون میدانون مین زمانہ حال کے علماء محققین نے راست بازی اور علمی منصف مزاجی کا جو ثبوت دیا ہے وہ ہمارے عہد کے لیے باعث عزت و شرف ہے، تحقیقِ مذاہب مین علماء کو ہمیشہ سے مسیحیت کے ساتھ سب سے زیادہ دلچسپی رہی ہے، مگر اسلام کو اس لحاظ سے بلاشبہہ دوسرا درجہ حاصل ہے، سائنس یعنی علم و حکمت نے تربیت یافتہ لوگون کے درمیان مذہبی جوش اور مذہبی جنگ و جدال کے جذبہ کو نیست و نابود کر دیا ہے، چنانچہ زمانہ حال کی تاریخی تحقیقات مین موجودہ نسل نے جس مین تجزیہ و تشریح کا ولولہ جاری و ساری ہے، بجائے قدیم مذاہب یا اخلاقی قواعد کو فنا کرنے یا ان کا مضحکہ اڑانے کے اس بات کا اظہار و اقرار کیا ہے کہ حقیقت علیا تک پہنچنا

ممکن ہے، اور اس تصورِ اعلیٰ (یعنی ذاتِ باری کے تصور) کو تمام نقلی اور روایتی حشو و زوائد سے پاک کرکے جو دورِ
گذشتہ کے اخلاقی اور سیاسی ضروریات سے پیدا ہوئے تھے، ایسی بنیاد پر قائم کیا ہے جو موجودہ علمی مذاق کے زیادہ
قرین ہے، اس قسم کی تحقیقات مین اسلام کا مطالعہ ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ یہی واحد مذہب ہے جس کے بانی
کے متعلق کثیر التعداد مصدقہ دستاویزین اور سندین موجود ہین اور جو بدین لحاظ دوسرے مذاہب کی پیدائش
پر بالواسطہ روشنی ڈالتا ہے اور جو اگرچہ عیسائیت کے چھ صدی بعد ظاہر ہوا، ایک طرح سے بطریق قیاس قدیم
مسیحیت کے متعلق بعض مخفی اور مشکل باتون کے سمجھنے مین مدد دے سکتا ہے،

حضرت مسیح اور حضرت محمد صلعم دونون نے جاہل اور اکھڑ قومون کے درمیان جو ہر نئی چیز کے دشمن
تھے، ایک نئے دین کا دعویٰ کیا، قدیم مقدس روایات کی مخالفت کی مطلب پرستون کو جو اپنی دینی یا دنیوی
اغراض رکھتے تھے، نقصان پہنچایا اور ایک عالمگیر انقلاب کے لیے راستہ صاف کردیا، دونون نے سامی
اقوام کے درمیان تبلیغ کی جنمین دیگر اقوام کی نسبت مذہبی احساس زیادہ قوی ہے، درحالیکہ حضرت مسیح م
کے حالاتِ زندگی اور عہدِ رسالت ایسی تاریکی کے پردے مین مستور ہین کہ جس کا ازالہ اناجیل بھی محض ناقص
طور پر کرتی ہین حضرت محمد (صلعم) کا عہدِ نبوت، روایات کے ایک ضخیم ذخیرہ کے واسطے سے اخلاف تک منقول
ہوا ہے، اگرچہ ان روایات کا صرف ایک حصہ مستند ہے مگر تمام کی تمام غایت درجہ کی دلچسپی اور فائدہ رکھتی
ہین، زمانۂ حال کے مورخ کے نزدیک محمد (صلعم) شیطان کا پلوٹھا بیٹا نہین ہے (جیسا کہ حروبِ صلیبی کے مورخین
کا خیال تھا) نہ وہ ایسا آدمی ہے جو لوگون کو جہنم کے ہولناک عذاب سے ڈرا کر دھوکہ دیتا تھا اور نہ وہ اب
ایک مفتری خیال کیا جاتا ہے جس کی تکذیب ضروری ہے، بجائے اس کے وہ ایک انسان ہے جو انتہائی درجہ
کی دلچسپی رکھتا ہے اور ایک مذہب کا بانی ہے جس نے مسیحیت سے اتر کر دنیا کی تاریخ مین سب سے بڑا اخلاقی اور
سیاسی انقلاب پیدا کیا ہے،

عہدِ حاضرہ کے علما، اس بات پر متفق ہوئے ہین کہ وہ اقوام کی وسیع نقل و حرکت اور مختلف انسانون

روایتون اور تمدنون کے اختلافات کے اسباب و علل کو دریافت کرین، ان پچھلے سالون مین کتب علمی کی ایک کثیر تعداد
شائع ہوئی ہے جس مین اسلام کے ہر پہلو کا مطالعہ اسی محققانہ انداز سے خالی الذہن ہو کر کیا گیا ہے جس کی بدولت
جدید اسکول نے طبعیات کے میدان مین بڑے بڑے انکشافات کئے ہین، اس سلسلہ مین انیسوین صدی کے پچھلے
بیس سالون مین بڑی تسلی بخش ترقی ہوئی ہے، اگرچہ جو کتابین پہلے پہل لکھی گئی ہین ان مین ابھی تک وہ نفرت پائی
جاتی ہے جو ان دو مذہبون کی قدیمی معاندانہ کشمکش سے متوارث ہوتی چلی آئی ہے، قدیم مورخین کا موضوع اس
امر کو ثابت کرنا تھا، کہ کس طرح محمد (صلعم) نے جو ان کے نزدیک ایک مفتری تھا (نعوذ باللہ) اپنے ہمعصرون کو دھوکہ
دینے مین کامیابی حاصل کی، بعد مین اس قضیہ کو بطریق دیگر پیش کیا گیا یعنی اس کے متعلق فیصلہ صادر کرنے سے
پہلے اس بات کا دریافت کرنا ضروری سمجھا گیا کہ وہ کون تھا؟ اس نے کیا کچھ کیا؟ اس کی تعلیمات اور اصول
مذہب مین کونسی بات اچھی اور کونسی بری تھی؟ اور پھر ان مقدمات سے اس بانی مذہب کے کام کو پرکھ کر نتائج
اخذ کیے جائین، اس کے گرد و پیش کے حالات کیسے تھے؟ اور کس طرح اسکی آواز کی گونج نے ایک قوم کی قوم
کو دنیوی غفلت سے بیدار کرکے تسخیرِ عالم کی طرف تحریک کی؟ اس زعم کو کہ وہ ایک مفتری تھا، ترک کردیا گیا،
کیونکہ ایک ایسے مذہب پر افترا کا الزام لگانا ناممکن تھا جس نے روئے زمین کو بدل دیا تھا، اس بات کو محسوس
کیا گیا کہ نبی (علیہ السّلام) کی تعلیم نے سازِ قلب انسانی کے کسی گہرے اندرونی تار کو چھیڑا تھا، اور اب بھی اس کی
گہرائیون مین بڑے زور کے ساتھ جنبش پیدا کر رہی ہے اگرچہ پیغمبرؐ کی آواز کو خاموش ہوئے تیرہ صدیان گذر چکی ہین

مگر چونکہ علماء نے حضرت محمدؐ کی واحد ذات کو اپنی تحقیقات کی بنیاد قرار دیا اس لیے وہ بیشتر کی طرح
غلطی مین مبتلا رہے بلکہ انھون نے اس طرح حقیقت کی تلاش مین ایک مصنوعی رکاوٹ پیدا کرلی، یہ بات
انسان کی طبیعت مین داخل ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو ایک خاص شخص کے ساتھ منسوب کرتا ہے یعنی ہر ایک شے
کی اصل کو کسی ایک شخص واحد کی ذات مین ڈھونڈھتا ہے اور جو دیگر اہم عناصر اس کے علاوہ ہین ان کو نظرانداز
کرتا ہے، ان عناصر سے ہماری مراد جماعت انسانی کے وہ حالات ہین جن کے درمیان رہکر ایک خاص شخص

مصروف کار رہا، اور جنھون نے منظم دین کی ابتدائی، اور اصلی تعلیمات مین آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کی اور ان پر اضافہ کیا، یہ محض اس اکیلے شخص کی ذات نہ تھی بلکہ یہ کل جماعت انسانی تھی، اپنے مجموعہ محاسن و معایب کے تھی جس نے عظیم الشان تاریخی واقعات کو پیدا کیا، ہم مطالعہ و تحقیق کے وقت فرد کو اس جماعت سے علحدہ نہین کر سکتے جس کے درمیان اُسنے جد وجہد جاری رکھی، یہ بات کہنا کہ ایک معمولی تربیت والے انسان کی مختصر زندگی جو ایک غیر مہذب اور ناشائستہ فضا مین گذری جیسی کہ ساتوین صدی مین مدینہ کی حالت تھی، ایک عالمگیر انقلاب کا باعث ہو سکتی ہے، ایک ایسا دعویٰ ہے جو انسان کو بالضرور غلطی مین مبتلا کریگا، اور جس کا ثابت کرنا خاصہ مشکل ہے، یہ دعویٰ درحقیقت ایسا مشکل ہے کہ وہ لوگ جو اس کو پیش کرتے ہین، اس بات پر مجبور ہو جاتے ہین کہ جہان وجوہ اور واقعات مفقود ہون، وہان کی پوری کرنے کے لیے اپنے تخیل کو کام مین لائین، ان اغلاط کو رفع کرنے کے لیے ایک جدید طبقہ علماء کا ظاہر ہوا جس کے مدنظر کوئی دعویٰ نہ تھا، اور جو کسی خاص بات کو ثابت کرنا نہین چاہتا تھا، انھون نے اخبار و آثار کو تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیا، ان کو یکجا جمع کر کے مرتب و مدون کیا، اور ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور صرف اس بات کو مدنظر رکھا کہ سچ اور جھوٹ کو صاف صاف آشکارا کیا جائے، ان کی اس صبر آزما محنت و کوشش سے سچائی کی روشنی خود بخود ظاہر ہوئی، اور جھوٹی روایات اور قدیم تعصبات کی تاریکی مین اجالا ہونا شروع ہوا، آج ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ اسلام کے متعلق تاریخی تحقیقات نے وہ راستہ اختیار کر لیا ہے جو سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ابھی ہم کو بہت سا راستہ طے کرنا ہے اور بہت سے رخنے بند کرنے ہین، تاہم تاریخ اسلام مضبوط بنیاد پر قائم ہو چکی ہے، اور مبادی اسلام کی واحد اور اصلی صورت نظر آنے لگ گئی ہے تالیف ہذا کا مقصد صرف یہ ہے کہ مین نے ان تحقیقات حالیہ مین جو ناچیز حصہ لیا ہے، اس کو پیش کرون،

[1] معارف:- بشرطیکہ ہمارا فاضل ایطالی شہزادہ تہذیب اور ناشائستگی کے معنی پہلے متعین کرے، یہ بھی مباحثہ طلب امر ہے کہ شخص جماعت کو پیدا کرتا ہے، یا جماعت شخص کو پیدا کرتی ہے، اگر دوسرا مفروضہ صحیح ہو تو جماعتون مین کبھی انقلاب پیدا نہ ہو، تاریخ کی شہادتین اس پر گواہ ہین، بڑا اہم سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے عہد کی جماعت نے حضرت مسیح کو پیدا کیا یا حضرت مسیح نے اس جماعت کو پیدا کیا،

روداد ترتیب رقعات عالمگیری

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے

رقعات عالمگیری کی ترتیب کا جو کام دار المصنفین کی طرف سے انجام پا رہا ہے، اس کے متعلق بعض شائقین اکثر سوالات کرتے رہتے ہین، اس غرض سے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کام کس محنت سے اور کس طرح انجام دیا جا رہا ہے، ذیل مین سید نجیب اشرف صاحب ندوی کی مرسلہ دفتری روداد شایع کرتے ہین، "معارف"

مین نے اپنے ایک عریضہ مین جناب کو لکھا تھا کہ اورنگ زیب کے خطوط کو بکمال و تمام جمع کرنے کے لئے ایک عمر کی ضرورت ہے، یہ تمام مجموعے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی کسی ایک لائبریری، ایک شہر یا ایک صوبہ مین جمع نہین بلکہ یورپ مین بھی مختلف مقامات پر منتشر ہین، کوئی برطانوی عجائب خانہ مین ہے کوئی دفتر وزیر ہند مین، کوئی پیرس مین، کوئی برلن مین وقس علیٰ ہذا، اور چونکہ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد جہان تک مین سمجھا ہون کسی ایک خاص کتاب کا اڈیٹ کرنا نہین بلکہ ایک عہد (PERIOD) کے متعلق اورنگ زیب کے تمام خطوط کا جمع کرنا ہے، اس لئے مین نے ابتداے کار ہی سے یہ طریقہ رکھا ہے کہ جس جس کتاب مین بھی جو جو خط مل گیا اور جس جس جگہ بھی اس کا پتہ چلا اسے نقل کر لیا، چنانچہ جن مجموعون اور تاریخون مین یہ خطوط ہین، ان کی فہرست بطور ضمیمہ الگ درج ہے، جناب بابو جدوناتھ سرکار وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کے ہم ممنون ہین کہ ان کی توجہ سے برٹش میوزیم، انڈیا آفس، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، خدا بخش خان کے کتبخانہ سے کتابین نقل کے لئے آجاتی ہین،

اس کے علاوہ یقیناً آپ کو اس بات کا بھی کامل علم ہوگا، کہ شاہجہان کے آخری بارہ سال اور اس کے بعد کی پنجسالہ خانہ جنگی کی کوئی تاریخ اب تک شایع نہین ہوئی ہے، اور ان کی عدم موجودگی مین ان خطوط کی ترتیب نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے،

عالمگیر نامہ اگرچہ شایع ہو چکا ہے لیکن وہ اورنگ زیب کا سرکاری ادھورا چھپا بیان ہے، اور وہ بھی صرف برادرانہ جنگ کے متعلق، مآثر عالمگیری بالکل بیکار ہے، اب اس عہد کے لئے چار یا پانچ قلمی کتابوں کی ضرورت ہوئی، ان میں سے تین تو ہندوستان ہی میں سرسے زیتین میں نے نہایت محنت و جانفشانی سے اس کام کے لئے حسب ذیل قلمی کتابوں کو نقل کرایا، جن کی فہرست درج ذیل ہے :-

فہرست کتب نقل شدہ

(۱) بادشاہ نامہ وارث، ۲۰۰۰ صفحے، شاہجہان کے ۳۰-۲۰ سال کے روزانہ حالات، نقل از کتبخانۂ خدا بخش خان و مقابلہ کردہ ایشیاٹک سوسائٹی

(۲) تاریخ صالح کنبو، ۲۰۰۰ صفحے، شاہجہان کے آخری سالوں کی تاریخ، "

(۳) آداب عالمگیری، ۳۰۰۰ صفحے، اورنگزیب کے خطوط بتوسط ابوالفتح و بعد از شاہجہان و خطوط شہزادۂ اکبر بنام اورنگ زیب وغیرہ،

(۴) ظفر نامۂ عالمگیری مصنفۂ عاقل خان رازی ۱۵۰ صفحے، از ایشیاٹک سوسائٹی بنگال،

(۵) تاریخ شاہ شجاعی ۲۴۳ صفحے، شاہ شجاع کے ایک افسر کا چشم دید حال و خطوط، انڈیا آفس لائبریری،

(۶) تاریخ جنگِ دارا ۱۰۰ صفحے، مصنفہ صادق ابناوی معتمد اکبر پسر عالمگیر، خدا بخش خان لائبریری،

(۷) فیاض القوانین، ۵۰۰ صفحے، خطوط مراد و شجاع و دارا و جہان آرا بنام اورنگزیب و شاہجہان وغیرہ، جدو ناتھ سرکار لائبریری،

(۸) خطوط مرزا راجہ، ۱۰۰ صفحے، خطوط راجہ جے سنگھ متعلق تعاقب دارا و جواب از جانب عالمگیر، پیرس قومی کتبخانہ،

(۹) انشائے فارسی ۵۰ صفحے، خطوط اورنگزیب بنام اکبر وغیرہ، ایشیاٹک سوسائٹی،

(۱۰) روزنامچۂ اورنگ زیب ۲۰۰ صفحے، انکی پیدائش سے موت تک کے تقریباً روزانہ حالات مع تعیین سن ہجری و سن عیسوی، خود تیار کردہ و کتبخانہ جدو ناتھ سرکار،

(۱۱) (مجموعۂ خطوط) موسوم گلدستہ ۱۰۰ صفحے، خطوط سلاطین دکن و اورنگزیب شاہجہان وغیرہ، سرسالار جنگ لائبریری،

(۱۲) تلخیص خطوط و وقعات از ۵۰ صفحے، فتوحات عالمگیری مصنفۂ ایشیر داس ناگر، برٹش میوزیم نمبر ۲۳۸۸۶،

(۱۳) مجموعہ فرامین و خطوط عالمگیر متعلق سیواجی وغیرہ، ۴۰ صفحے، مملوکۂ Mr. D. B. Parasnis (Poona)

(۱۴) " " " ۴۰ " " Mr Vasu deo Vishnu (Satara)

(۱۵) " " " ۲۰ " " Mr William (Irvine) (London)

(۱۶) " " " ۲۰ " " Dhar State Dhar

(۱۷) تاریخ قرینۂ شاہجہان ۲۰۰ زیر کتابت " بوہار لائبریری امپیریل لائبریری کلکتہ،

(۱۸) طبقات رجال مندرجۂ خطوط، ۴۰۰ " زیر کتابت و ترتیب

(۱۹) خطوط از بہارستان، ۲۰۰ " عالمگیر کا خط بنام شاہ ایران و فرمان معافی محصول،

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ ان کتابوں کی نقل و ترتیب کے بعد دوسرا کام ان کا اصل یا دوسرے نسخوں سے بالاستیعاب مقابلہ بھی تھا، اور یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں ہے، اس لئے اس کی دشواری و اہمیت و وقت طلبی کو آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں،

اب نفسِ خطوط کے متعلق عرض ہے،

ہر خط کو یوں تو چار مرتبہ پڑھنا پڑتا ہے

(الف) ہر خط کو جس جس نسخہ میں وہ ہے، اس سے مقابلہ کر کے اس میں ایک ایک نقطہ کا جو اختلاف ہو اس کو لکھنا، چنانچہ بعض خطوط چار چار یا پانچ پانچ مرتبہ صرف مقابلہ کے لئے ہی پڑھنے پڑے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو خط میں ۲۶ گھنٹے

ختم ہوگئے،

(ب) اشخاص اور مقامات کے نامون کے لئے پڑھنا،

(ج) واقعات کو تاریخی (CHRONOLOGIC-ALLY) ترتیب دینے کے لئے پڑھنا (جواب تیار ہو چکی ہے)

(د) کتابون سے ان خطوط کا پتہ چلانا جن کے جواب مین یہ خطوط لکھے گئے ہین، یا جو جوابات ان خطوط کے متعلق لکھے گئے ہین، اور ان کو نقل کرنا، اس کے علاوہ ایسے خطوط کا پتہ چلانا جن سے ان خطوط کے متعلقہ واقعات پر بین الاقوامی یا ڈپلومیٹک روشنی پڑتی ہے، مثلاً حکومتِ ایران سے خط و کتابت، دکنی حکومت کی شیعہ سلطنت کے قیام کے لئے سازش، یا قندھار کے متعلق مراسلات وغیرہ، مین آپ سے سچ عرض کرتا ہون کہ ایک جگہ، ایک راستہ یا ایک آدمی کے یقین و تحقیق مین ہفتہ کا ہفتہ گذر جاتا ہے،

مین نے آپ کو اپنے ایک عریضہ مین جس کی بناء پر آپ نے معارف کے شذرہ مین بھی تذکرہ کیا تھا، لکھا تھا کہ پہلی جلد اس طرح ہوگی،

جلد اول، حصہ اول،

(۱) خطوط بنام شاہجہان،

(الف) نظامتِ ملتان (ب) محاصرۂ قندھار، (ج) واپسی از قندہار تا برہان پور (د) قیام دہ ماہہ برہان پور (ہ) قیام دولت آباد، (و) واپسی ریاستین، (ز) جنگِ گولکنڈہ، (ح) جنگِ بیجاپور، (ط) خانہ جنگی، (ی) بعد از جنگ تا وفاتِ شاہجہان،

(۲) خطوط بنام شاہ شجاع،

(۳) خطوط بنام مراد بخش،

(۴) خطوط بنام جہان آرا بیگم،

(۵) خطوط بنام سلطان معظم،

(۶) ضمیمہ،

(الف) خطوط شاہجہان بنام اورنگ زیب،

(ب) خطوط شاہجہان بنام دارا، مراد بخش، شاہ شجاع وغیرہ،

(ج) خطوط مراد بخش بنام اورنگ زیب، شاہ شجاع، شاہجہان وغیرہ،

(د) خطوط شجاع بنام اورنگ زیب، مراد، شاہجہان، وغیرہ،

(ہ) خطوط جہان آرا بنام اورنگ زیب، مراد وغیرہ،

(و) خطوط دارا بنام سلیمان شکوہ، اورنگ زیب وغیرہ،

(ز) خطوط شاہ ایران، وغیرہ،

اس کے علاوہ اس جلد کی ابتدا مین ایک دیباچہ ہوگا، اور اس کی مفصل ذیل سرخیان ہونگی:-

"دیباچہ"

(الف)

(۱) فن انشاء کی تاریخ:-

(الف) ابتداء (ب) مختلف اقوام مین اس کا رواج،

۲- اسلامی ادبیات مین اس کا درجہ ... عربی و فارسی،

(الف) دار الانشاء (ب) اس فن پر کتابین عربی و فارسی، (ج) ہندوستان مین اس سلسلہ مین کوشش، اس کی ارتقاء اس کے اقسام،

۳- تاریخی خطوط عموماً اور مکاتیب اورنگزیب کی خصوصاً تاریخی اہمیت،

(الف) ان کے اقسام، (ب) ان کی موجودگی، (ج) خطوط کون لکھتا تھا، (د) اورنگزیب خط نویسی کے اعتبار سے،

(ب)

(۴) تاریخ اورنگزیب پر روشنی،

(ا) گورنر

(الف) ایک ناظم کی حیثیت سے :-

نظام حکومت، زراعت، مالگذاری، افسرون کی سفارش و تنبیہ، ہندو افسرون سے برتاؤ، ایمانداری، راست بازی، انتظام خرچ، فوج کا ضابطہ تنخواہ کا صحیح مصرف، ہندؤن کی آبادی، تجارت وغیرہ،

(ب) محاصرہ قندھار :-

روانگی، حربی قابلیت، ناکامیابی کے اسباب، اورنگزیب کی معصومیت،

(ج) سرحدی قبائل اور دیسی ریاستین :-

بلوچ قبائل، دیوگڈھ، جوار، چاندہ، کرناٹک، سیواجی وغیرہ،

(د) گولکنڈہ و بیجاپور :-

ڈپلومٹک قابلیت، میر جملہ، اورنگزیب کی اصلی نیت، جنگ کا افسوس ناک انجام،

(۲) خانہ جنگی،

(الف) تعلقات باپ سے،

(ب) " دارا "

(ج) " جہان آرا "

(د) " مراد "

(ہ) " شجاع "

(و) " وزرا و حکام "

(ز) دارا کی اورنگزیب کو ذلیل کرنے کی مسلسل سازشین، باپ کا ضرورت سے زیادہ لاڈ و پیار، باپ کے کان بھرنا، سرحدی قبائل کو ورغلانا، جھوٹے الزامات تراشنا، دخل در معقولات، دربار مین حملے کرنے وغیرہ، دارا کی دوسرے بھائیون کے

خلاف سازش، اس کا مذہبی عقیدہ، اس کی تنگ ظرفی، بھائیون کے خلاف کارروائیان، اور ان سب کا لازمی نتیجہ شاہجہان کی علالت کی افواہ کے ساتھ بھائیون کی جنگ کا آغاز،

(ح) مراد و شجاع کی جلد بازی، اورنگزیب کا تدبر، اس کا حقیقی ارادہ ... یقیناً حکومت تھا ... ثبوت میر جملہ سے سازش، مراد سے معاہدہ، برادرانہ خطوط بنام شجاع،

(ط) دارا، جہان آرا، شاہجہان وغیرہ کا متفقہ طور سے اورنگزیب کو تباہ کرنے کی کوشش، ہندی خط بنام دارا، بنام شجاع و بنام مراد

(ی) باپ سے سلوک، ضرورت جنگ، و بعد از جنگ تلافی مافات،

(ک) مراد کی قید،

(ل) دارا کا معاملہ،

(م) شجاع سے جنگ،

(۳) بین الاقوامی تعلقات، بلخ و بخارا، ایران وغیرہ سے خط و کتابت، ایران سے مراد کی طلب امداد، ایران کا حقیقی مقصد اور اس کا ثبوت، اسکا دکن کی اسلامی سلطنتون پر مہلک اثر،

(۴) خاتمہ،

اس کے علاوہ آخر مین اختلافات قرأۃ کا ایک ضمیمہ ہوگا، اس کے بعد جتنے آدمی اور مقامات کا تذکرہ آیا ہے، انکے مختصر حالات، اور بشرط امکان راستون اور محاصرہ کے مقامون کے نقشے بھی دیئے جائین گے، یہ صرف حصہ اول جلد اول ہے، حصہ دوم مین جو خطوط ہین وہ چونکہ اسی عہد کے ہین اس لئے ان پر کوئی الگ دیباچہ تو نہ ہوگا، لیکن سوانح و مقامات کا ضمیمہ اور جن جن لوگون کے جوابات ملے ہین ان کے بھی خطوط کا ضمیمہ دیا جائیگا، اور اس طرح یہ جلد اورنگزیب کے عہد شہزادگی سے لیکر تخت نشینی و جنگ برادرانہ کے خاتمہ تک کی مفصل تاریخ ہوگی،

———

سرمد کی زندگی

کا

ایک کہنہ ترین ورق

سرمد کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں، ان میں سب سے قدیم کتاب دبستان المذاہب ہے،[1] جس کا مصنف ۱۰۵۶ھ میں حیدرآباد دکن میں اس سے ملا تھا، اس کے بعد عہد عالمگیری کے دو تذکرہ نویس طاہر نصرآبادی (یا نصیرآبادی) اور شیر خان لودی نے اپنے اپنے تذکروں میں اس کے قتل کا حال لکھا ہے، اس کے بعد اور دوسرے بہت متاخر زمانہ کے تذکرے ہیں، اور یہی سرمایہ ہے جو اب تک سرمد کے حالات زندگی کی بیان و تشریح میں کم و بیش استعمال کیا گیا ہے، لیکن اب ہمارے ایک لائق دوست مولوی ابو محمد صاحب شیر رحمانی نے سرمد کے متعلق ایک اور پرانی دستاویز کی تحقیق کی ہے، یہ دستاویز بانکی پور کے مشہور مشرقی کتبخانہ کی ایک قلمی کتاب مجمع الافکار میں ہے، صاحب مجمع الافکار نے اس کو نواب معتمد خان کی یادداشت سے بعینہ نقل کیا ہے،

نواب معتمد خان شاہجہان کے دربار کا ایک مشہور امیر تھا، وہ اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی جنگ میں دارا شکوہ کی طرف سے لڑتا ہوا ۱۰۶۸ھ میں مارا گیا،[1] اس لئے اس کا بیان "متعصب اور ظاہر پرست" اورنگزیب کے عہد کی رنگ آمیزی سے خالی ہوگا، اور چونکہ وہ دارا شکوہ کا طرفدار تھا، اس لئے یہ شبہہ نہ گذریگا کہ دارا شکوہ کی دشمنی میں اپنے ایسی برائے ظاہر کی ہے،

معتمد خان لاہور میں سرمد سے ملا تھا، اور سرمد کے محبوب ابھے چند کو بھی اس نے دیکھا تھا، معتمد خان نے اپنی

[1] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۵۱۱

ملاقات کی تاریخ نہیں لکھی ہے، لیکن اتنا پتہ دیا ہے کہ وہ شاہجہان کے ساتھ کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے لاہور میں اس سے ملا تھا، یہ ظاہر ہے کہ سرمد سندھ سے بالاتفاق ۱۰۴۲ھ میں آیا تھا، اور وہاں چند سال تک رہا، اور ۱۰۵۶ھ میں وہ دبستان کے مصنف کے بیان کے مطابق حیدرآباد میں تھا، اور ۱۰۶۸ھ میں معتمد خان مارا گیا، اب شاہجہان کے سفر کشمیر کی تاریخیں دیکھئے، شاہجہان چار بار کشمیر گیا ہے اور آیا ہے، پہلی دفعہ ۱۰۴۳ھ میں گیا اور آیا، دوسری دفعہ ۱۰۴۹ھ میں جا کر ۱۰۵۰ھ میں لاہور واپس آیا، پھر ۱۰۵۴ھ میں جا کر ۱۰۵۵ھ میں واپس آیا، پھر ۱۰۶۰ھ میں کشمیر گیا اور ۱۰۶۱ھ میں واپس آیا، اس بنا پر نواب معتمد خان کا سرمد سے ملنا ۱۰۴۳ھ کے سفر لاہور میں ناممکن ہے کہ وہ اس وقت سے سندھ میں تھا، اس لئے یہ ملاقات ۱۰۵۰ھ میں ہوئی ہوگی، یا ۱۰۵۵ھ میں یا ۱۰۶۱ھ میں،

اس تمہید کے بعد اب مجمع الافکار کی عبارت آپ کے سامنے ہے،

"از واردات طبع نواب معتمد خان مرحوم است: سرمد نام جہود پسرے کہ بعد از کسب فضیلت کردہ چندے در خدمت شیخ بہاؤ الدین محمد، و برخے در ملازمت میر محمد باقر داماد بسر بردہ در ۱۰۴۲ھ بہ ہوائے سیر و تفریح تماشائے ممالک ہندوستان قدم ہمت در بادیۂ طلب نہادہ، از راہ دریا بولایت ٹھٹھہ رسید و از اتفاقات حسنہ در نمک زار ٹھٹھہ بکمند عشق ہندو پسرے اسیر گشتہ از ان کان ملاحت نمک چشِ محبت می نماید، و در آغاز تعلق و گرفتاری آن کافر بے رحم نگاہ آشنا بجانب او نمی کند پدرش از بیم رسوائی نزد محمود بیگ بخشی واقعہ نویس ٹھٹھہ اظہار این معنی می نماید، و آن بے درد یک چندے مطلوب او را در جائے کہ صبا و شمال متعذر بود مخفی می دارد، آشوب عشق و جنون سرمد بشورش در می آرد، از تلاطم محبت و جوش و خروش جنون آنچہ در بساط داشتہ با آتش سوختہ خود را از لوث تعلقات پاک ساختہ، خاکسترش را چار بالش سلطنت دانستہ عریان ترس بگذا عادتی می نشیند اتفاقاً بیتے از محمود بیگ بخشی واقعہ نویس در گوش او می رسد ے

کلید مخزن افلاک گر در دست من باشد
کواکب را براہ اہل حاجت چون درم پاشم

سرمد رباعی گفتہ نزد محمود بیگ فرستاد،

اے باد بگو بہ میرزائے بخشی
کاے کردہ فلک بزیر رایت رخشی

گفتی کہ کواکب چون درم می بخشم   خورشیدِ مرا ابنز بمن می بخشی

چون نشاطِ محبت او از صدق چاشنی داشت، دامن خودش از آلودگی پاک بود، و پس از مدتے بہر دو سرا پا برہنہ رہ نوردِ بادیہ جنون گشتہ بہ لاہور شتافتند، و چون موکب سفور حضرت شہنشاہی از سیر و تماشائے گلگشت ہمیشہ بہار کشمیر عطف عنان نمودہ بدار السلطنۃ لاہور نزولِ اجلال ارزانی فرمودہ، راقم الحروف در باغ سراغ آنہا یافتہ بذوق ملاقات شتافت، سرمد را دیوانہ سر و پا برہنہ عریان از لباس عاریت دیدم، موی سر و ریش دراز جولیدہ ژولیدہ؟ و مجذوب شدہ، ناخن دست و پا دراز، با فلک و ملک در جنگ و گاہ بکائنات در صلح سخن بسیار گفتے، و شعر خواندے اکثر مربوط، احیاناً نامربوط، لیکن بہر جا رشتہ رضا جوئی محبوب از دست نہ دادہ، و محبوبش بالاپوش کہنہ بر خود پیچیدہ نشستہ بود، خالی از ملاحت نبود، و فارسی را درست می گفت و طبیعت موزون ہم داشت،"

نواب محمد خان کی اس تحریر کے بعد سرمد کی زندگی کے متعلق دوسری سب سے پرانی تحریر دبستان المذاہب کے مصنف کی ہے، جس نے [illegible]ھ میں حیدر آباد میں اس سے ملاقات کی تھی، لیکن یہ دونوں تحریریں عہد عالمگیری سے پہلے کی ہیں، اور ان سے "عالمگیر اور سرمد" کے تعلقات پر روشنی نہیں پڑتی، یہ روشنی دوسرے تذکروں سے حاصل ہو سکتی ہے، معارف میں جب منصور حلاج پر ایک مضمون لکھا گیا تھا، تو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا کہ ابھی ایک "شہید" اور باقی ہے، کیا عجب ہے کہ اس "شہید" کی قتل کی بھی باری آجائے،

نطشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نطشے کی سوانح عمری اور اس کے خیالات، افکار اور تصانیف پر بحث و تبصرہ، مصنفہ پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب میں اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے، باقی تین ابواب میں خیر و شر، مسیحیت اور آیندہ میں "فوق البشر" پر اس کے خیالات اور نظریوں کی تشریح

قیمت عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

امریکہ کی مالی اور تعلیمی حالت

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ امریکہ اپنی دولت و ثروت میں دنیا کے تمام براعظموں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ باوجودیکہ اس کی آبادی سارے عالم کے تناسب سے صرف ۶ء۲ فی صدی ہے، اور اس کا رقبہ دنیا کے پورے رقبہ کے تناسب سے صرف ۷½ فی صدی ہے، مگر دنیا کی دولت و ثروت کا نصف حصہ امریکہ کی سرزمین سے وابستہ ہے، کیونکہ روئی، لوہا، فولاد، سیسہ، لکڑی، تانبا، اور پٹرول وغیرہ کا وجود دنیا میں جس قدر ہے، ان میں کم سے کم ۵۰ فی صدی اور اکثر چیزوں کا اس سے زیادہ حصہ صرف امریکہ کے قبضۂ قدرت میں ہے،

مفلوک ہندوستان جس میں ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط صرف ۲ پائی روزانہ ہے، اس کے تخیل سے یہ بالاتر ہے کہ امریکہ میں اس وقت ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط ۶۰۰ پونڈ سالانہ ہے، جو آج سے ۲۳ سال پہلے ۲۶۳ پونڈ کی تعداد میں تھا، اور ۷۵ سال پہلے ۱۲۵ پونڈ کی تعداد تھی، ۱۲۵ سے ۶۰۰ پونڈ کی ترقی صرف ۷۵ سال کی صنعتی و تجارتی جد و جہد کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے،

خیر با زنجیر ہندوستان اور آزاد امریکہ کی ثروت کا موازنہ تو ایک المناک داستان چھیڑ دیگا، جب امریکہ کا خود یورپ کے ممتاز و متمدن ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت امریکہ میں ایسے ۴۰ فی صدی افراد ہیں جو ڈنمارک اور آسٹریلیا کے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ اصحاب ثروت سے زیادہ صاحب ثروت ہیں، اور جرمنی کے اصحاب ثروت کے تناسب سے امریکہ میں ایسے ۶۰ فی صدی اشخاص پائے جاتے ہیں، اور جب جدید تہذیب و تمدن کے سب سے بڑے مرکز پیرس کے اصحاب ثروت کا تناسب دیکھا جائے تو امریکہ میں ۵۰ فی صدی ایسے افراد ملیں گے جن کی ثروت کے مقابلہ میں

کوئی صاحب ثروت پیش نہین کیا جاسکتا، اور ان کے علاوہ سویڈن اور ہالینڈ وغیرہ کا تناسب تو پورے پورے ۱۰۰ فی صدی ہے،

اس کے باوجود امریکہ کے ہر دس آدمیون مین صرف چار شخص ایسے ہوتے ہین جو معاش پیدا کرتے ہین، اور باقی ...شخاص انہین چار اشخاص کی محنت سے پرورش پاتے ہین،

ایک طرف ان کی دولت و ثروت کی یہ بہتات ہے اب دوسری طرف ان کی تعلیمی دلچسپیون پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنی چاہئے،

یہان کے اکثر حصون مین ابتدائی اور ثانوی تعلیم جبری قرار دیگئی، حکومت کی طرف سے مدارس قائم ہین جن کے تمام اخراجات خود حکومت برداشت کرتی ہے، ابتدائی تعلیم کی مدت آٹھ سال اور ثانوی کی چار سال ہے، ان مدارس مین ۶ سے ۱۸ سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیان تعلیم پاتی ہین، ان کے علاوہ غیر سرکاری مدرسے بھی قائم ہین جن مین بالعموم سرکاری مدارس کی عمر کی قید سے بڑھ جانے کی وجہ سے طلبہ اگر داخل ہوتے ہین، اس کے علاوہ بعض دیگر وجوہ سے بھی طلبہ ان مدارس کا رخ کرتے ہین،

آج کل وہان ۵ سے ۱۷ برس کے ۲۹ ملین لڑکے اور لڑکیان ہین، جن مین سے ۲۵ ملین سرکاری مدرسون مین تعلیم پاتے ہین جس مین سے ہر لڑکے پر ۱۰۵ پونڈ سالانہ خرچ ہوتا ہے، اور یہ تعداد ان طلبہ کے علاوہ ہے جو غیر سرکاری مدرسون مین تعلیم پا رہے ہین، امریکہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہان کی اعلیٰ تعلیم مین ہر قسم کے طلبہ بلا امتیاز شریک ہوتے ہین جس کا اندازہ یونیورسٹی کے طلبہ کی مجموعی تعداد سے لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۱۰ء مین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والون کی تعداد ۲۰۷ ہزار تھی، پھر یہی تعداد سنہ ۱۹۲۴ء مین ۶۲۵ ہزار تک پہونچ گئی، اور اس سال سنہ ۱۹۲۶ء مین صرف کلمبو یونیورسٹی نیویارک سے ۷۰۰۰ مرد اور عورتین فارغ التحصیل ہوئی ہین، صرف یہان کی یونیورسٹیون کے مصارف ... ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہین، جس کا ایک تہائی حصہ طلبہ کی فیس سے ادا ہوتا ہے،

امریکہ کے اس تعلیمی سلسلہ کے ساتھ وہان کے شعبہ نشر و اشاعت کو دیکھا جائے تو مثلاً صرف سنہ ۱۹۱۴ء مین ۵۰، ملین

کتابین چھپ کر شائع ہوئین، اور اسی طرح سنہ ۱۹۲۵ء مین ۲۵۰ ملین کتابین طبع ہوئین، اور اگر آج کل کی کتابون کی مجموعی تعداد دریافت کرتی ہے تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہان کی شایع شدہ کتابون کی مجموعی تعداد روزانہ اتنی ہوتی ہے کہ امریکہ کے ہر ایک مرد و عورت، لڑکے اور لڑکی کے حصہ مین تین تین کتابین آتی ہین یعنی وہان کی مجموعی آبادی سے تین گنا زیادہ کتابین روزانہ طبع ہوتی ہین، اور پھر اخبارون کی تعداد کو شمار کیا جائے تو وہان کے ہر چار آدمیون مین مستقل ایک اخبار حصہ مین آتا ہے، اور ان کے علاوہ ماہوار، ہفتہ وار رسالے وغیرہ کی تعداد ۲۰ ہزار ہے،

اس لئے اگر امریکہ اپنی دولت و ثروت اور کیمیاوی و صنعتی ترقیون مین یورپ سے پیش پیش ہے تو علمی و تعلیمی میدان مین بھی بہت آگے نکل چکا ہے،

"د م"

جاپانی اخبار نویسی

تمام متمدن ممالک مین امریکہ اور انگلستان اخباری ترقی کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ خیال کئے جاتے ہین لیکن حال مین ایک جاپانی اخبار نویس نے امریکہ کے رسالہ ایشیا مین جاپانی اخبار نویسی کی ترقی پر ایک مضمون لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاپان اس مین امریکہ اور انگلستان پر بھی فوقیت رکھتا ہے، اس مضمون کا خلاصہ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء کے مقتطف مین شایع ہوا ہے، اور ہم معارف مین اس کا خلاصہ شایع کرتے ہین،

جاپان کا رقبہ امریکہ کے ایک صوبے کے رقبہ کے برابر ہے، اور اس کی مردم شماری ۵۷ ملین ہے حالانکہ ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری ۱۰۵ ملین سے بھی زائد ہے، لیکن باایں ہمہ جاپان مین ۱،۳۰ اخبار روزانہ ہوکر ۲۰۵۰ اخبار ہفتہ وار اور ماہوار نکلتے ہین، روزانہ اخبارات کی مجموعی تعداد جو ہر روز شایع ہوتی ہے ۱۰ ملین ہے یا بالفاظ دیگر ہر ۶ آدمی کے حصے مین ایک اخبار آتا ہے،

اس دس ملین کی تعداد مین تقریباً نصف یعنی پانچ ملین کی تعداد صرف دس بڑے اخبارات پوری کرتے ہین، جو ٹوکیو اور اوساکا سے شایع ہوتے ہین، ان مین دو اخبار جو "اوساکا مانیشی" کمپنی سے تعلق

رکھتے ہین سب سے بڑے ہین، ایک کا نام "اوساکا مائنیچی" ہے جس کی روزانہ اشاعت تقریباً ایک ملین ۳ لاکھ ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیو نیچی نیچی" ہے اور وہ روزانہ ۸۰۰ ہزار کی تعداد مین چھپتا ہے،

ان دونون کے بعد دو اخبارون کا درجہ ہے جو "اوساکا اساہی" کمپنی سے تعلق رکھتے ہین، ان مین ایک کا نام "اوساکا اساہی" ہے جو اوساکا سے شائع ہوتا ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیو اساہی" ہے جو ٹوکیو سے شائع ہوتا ہے ان کی اشاعت کی مجموعی تعداد ایک ملین روزانہ ہے،

ان چارون اخبارات کے بعد ۶ اخبار اور ہین جن کی روزانہ اشاعت نصف ملین سے ایک لاکھ تک ہے،

جاپان سے انگریزی اخبارات بھی شائع ہوتے ہین جن مین سب سے بڑا اور سب سے زیادہ وسیع الاشاعت اخبار "اوساکا مائنیچی" کمپنی کی طرف سے ۸ صفحات مین شائع ہوتا ہے، ایک اخبار جس کا نام "مُعلن جاپانی" ہے ایک امریکن ٹوکیو سے شائع کرتا ہے، اور زیادہ تر اس کی اشاعت یورپین لوگون مین ہے، "کوبی کرانیکل" کے نام سے ایک انگریز ایک اخبار نکالتا ہے جس کے ذریعے حکومت کے سیاسی کامون پر نکتہ چینی کرتا ہے، ایک اور انگریزی اخبار "ٹوکیو ٹیمس" ہے جو پہلے حکومت کی زبان تھا اور اب معلوم نہین کہ وزارت خارجیہ سے اس کا تعلق ہے یا نہین؟

جاپان مین اس اخباری ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ "اوساکا مائنیچی" اور "اوساکا اساہی" کمپنی مین تاجرانہ مقابلے نے سخت رشک و رقابت پیدا کردی ہے، چنانچہ ۴ سال کا زمانہ گذرا کہ "اوساکا مائنیچی" کمپنی نے ڈہائی لاکھ گنی کے صرف سے ایک عظیم الشان ہشت منزلہ عمارت بنوائی، تو اخبار "ٹوکیو نیچی نیچی" نے بھی ایک عالی شان عمارت تیار کرائی، اور اخبار "ٹوکیو اساہی" بھی عنقریب اپنی جدید عمارت مین منتقل ہونا چاہتا ہے، جو ریلوے اسٹیشن کے قریب ۶۰ ہزار گنی کے صرف سے تیار ہوئی ہے،

اخیر دو سالون مین اخبار "المائنیچی" نے پانچ ہوائی جہاز خرید کر "ٹوکیو" اور "اوساکا" کے درمیان ہوائی ڈاک قائم کردی، جس کے ذریعے خبرین اور تصویرین روانہ کیجاتی تھین، اس کی دیکھا دیکھی اخبار "اوساکا اساہی" نے بھی ہوائی جہاز خریدے اور "اوساکا" اور "ٹوکیو" اور "ٹوکیو" اور "سنداے" کے درمیان ہوائی ڈاک کا انتظام کیا

اس اخباری رقابت سے پبلک کو بڑا فائدہ پہونچتا ہے کیونکہ جب ایک اخبار اپنی شام کی اشاعت کو مفت تقسیم کرتا ہے تو دوسرا اخبار بھی اس کی تقلید کرتا ہے، یا جب کوئی اخبار دیہاتون مین جہان اخبار کی اشاعت زیادہ ہوتی ہے کوئی مقامی ضمیمہ شائع کرتا ہے، تو دوسرے اخبارات بھی ایسا کرتے ہین،

ضمیمون کی اشاعت ایک ایسی چیز ہے جو جاپانی اخبارات کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہے، مثلاً اخبار "المائنیچی" روزانہ ۳۰ ضمیمے شائع کرتا ہے جن مین لوکل خبرین شائع ہوتی ہین اور خریدارون کے یہان مفت روانہ کئے جاتے ہین یہ ضمیمے زیادہ تر دیہاتون مین شائع ہوتے ہین، اور ان مین وہین کی مخصوص خبرین درج ہوتی ہین، لیکن جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے مثلاً کوئی بڑی جنگ چھڑ جاتی ہے، یا بڑا زلزلہ آتا ہے، یا کوئی عام وبا پھیل جاتی ہو، یا بادشاہ کی وفات ہوجاتی ہے تو بڑے بڑے شہرون مین بھی ضمیمے شائع ہوتے ہین،

بعض اوقات یہ ضمیمے صرف ایک چھوٹے سے ورق پر شائع ہوتے ہین اور ان مین صرف ایک مختصر سی خبر درج ہوتی ہے، اخبار بیچنے والے اُن کو لیجاتے ہین اور گذرگاہون مین اس زور سے چیختے ہین کہ گویا صور اسرافیل پھونکا جاتا ہے، اور لوگ ان کو اس لئے خریدتے ہین کہ مبادا دنیا فنا ہوجائے اور ہم واقعاتِ عالم سے بے خبر رہین،

اس رشک و رقابت کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہے کہ اخبارات کثیر رقم صرف کرکے اطراف عالم سے خبرین جمع کرتے ہین، چنانچہ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء مین جب جاپان مین سخت زلزلہ آیا تو "اوساکا مائنیچی" اور "ٹوکیو نیچی نیچی" کمپنی نے ۴۴ ہزار گنی کے صرف سے مخبرین و مصورین کی ایک جماعت مقرر کردی اور انھون نے تمام مقامات سے زلزلہ کے متعلق اہم خبرین اور تصویرین مہیا کین، چونکہ زلزلہ کی وجہ سے ڈاک بالکل بند ہوگئی تھی، اس لئے اسی کمپنی نے ملک کے گوشے گوشے مین زلزلہ کے متعلق خبرین اور تصویرین روانہ کین جن مین بعض متحرک تصویرین بھی تھین اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اخبار "المائنیچی" اور "الاساہی" ریل، ہوائی جہاز اور تار پر بھی اعتماد نہین کرتے، کیونکہ بعض اوقات ریلین ٹکرا جاتی ہین، ہوائی جہاز ٹوٹ جاتے ہین، اور تار کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اس لئے ان اخبارات نے

پیامبر کبوترون کی بہت بڑی تعداد پال رکھی ہے، جو مجرون اور ہوائی جہازون کے ساتھ روانہ کی جاتی ہین، اور جب مجرون اور ہوائی جہازون کو کوئی سانحہ پیش آجاتا ہے تو وہ ان کبوترون کے ذریعہ سے خبرین روانہ کر دیتے ہین،

ان دونون کمپنیون مین خبر رسانی کے متعلق جو مقابلہ پیدا ہو گیا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۲۶ء مین جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہ جاپان حالت نزع مین ہے، تو ان دونون کمپنیون نے شاہی محل کے قریب دو گھر کرایہ پر لئے، اور اخبار نویسون کی ایک جماعت مقرر کی اور ان کے لئے خبر رسانی کے تمام ذرائع مثلاً ٹیلیفون، موٹر، ہوائی جہاز، نامہ بر کبوتر وغیرہ مہیا کر دیئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی پبلک شاہی خاندان کے حالات سے کس قدر شغف رکھتی ہے،

ان اخبارات کے اشاعت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دو اللادساکا مانیشی، کمپنی کے دفتر مین ۲۴۶۵ آدمی ملازم ہین جو مختلف خدمات انجام دیتے ہین،

خبرون کی فراہمی کا جو طریقہ یورپ اور امریکہ مین جاری ہے، وہی جاپان مین بھی ہے، یعنی ریوٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس کی طرح یہان بھی کمپنیان قائم ہین، جو خبرین جمع کرتی ہین، اور جو اخبار ان کمپنیون سے تعلق رکھتے ہین وہ ان خبرون کو شایع کرتے ہین،

بڑے بڑے اخبار مراسلہ نگار بھی مقرر کرتے ہین بالخصوص یورپ، امریکہ اور ایشیا کے بڑے بڑے شہرون مین خاص جاپانی مراسلہ نگار مقرر ہین تاکہ اہم واقعات کے متعلق خاص جاپانیون کے نقطۂ نظر کے مطابق خبرین شایع کی جا سکین،

جاپان مین اس اخباری ترقی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ جاپان کے ہر طبقے مین تعلیم کی اشاعت عام ہو گئی ہے چنانچہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مدارس کے طلبا مین ۹۹ فی صدی سکنڈری مدارس مین داخل ہوتے ہین، جاپان کے تمام مدارس اور کالج کی تعداد ۴۴ ہزار ہے، جس مین ساڑھے دس ملین سے زیادہ طلبا تعلیم پاتے ہین،

تعلیم کی اشاعت کے ساتھ جاپانی مطالعہ کا بھی نہایت ذوق رکھتے ہین چنانچہ ۱۹۲۵ء مین جاپان مین مختلف موضوع پر ۲۰۰۰۰ کتابین شایع ہوئین، انگریزی، فرنچ، جرمن اور چینی زبانون مین جو کتابین باہر سے آئین اور فروخت ہوئین انکی قیمت پانچ لاکھ تھی

"ع"

کیا سری کرشن ایک اسرائیلی پیغمبر تھے؟

پروفیسر پیرزادہ محمد ابراہیم حنیف (دہلی) نے چند ماہرین علوم الالسنہ کی معاونت سے "سری کرشن اسمبلی" کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے جس مین علوم الالسنہ کی روشنی مین مختلف علمی مباحث کی تحقیق و تدقیق اور ان پر بحث و تمحیص ہو گی، اس مجلس نے اپنے دائرہ عمل کو چند نظریون مین محدود کر لیا ہے، اور اس کی تمام سعی و کاوش انھین چند مسائل کے اثبات مین صرف ہو گی

اس مجلس کا ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ سری کرشن دراصل ایک اسرائیلی پیغمبر تھے، کیونکہ محققین علوم الالسنہ کے نزدیک یہ پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ "بعل سر قیس کاہن" یا "بال سری کشن کاہنا" یہ چار الفاظ عبرانی زبان کے ہین جو اس زبان مین نہایت درست رسم خط کے ساتھ موجود ہین، اور اس سلسلہ مین اس کڑی کو ملا دینے سے اس نظریہ پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ قدیم و جدید برج بھاشا اور دیگر ہندوستانی زبانون مین عبرانی، اشوری، بابلی، عربی اور حمیری زبانون کے بکثرت الفاظ موجود ہین،

اسی طرح اس مجلس علمی کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ **اردو** ایک ایسی زبان ہے جو **عالمگیر زبان** (LEN-GUEFRANCA) کی حیثیت سے قبول کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ برج بھاشا کی ایک مکمل ترین شکل ہے، جو قدیم سامی زبانون (عبرانی، اشوری، عربی) اور سنسکرت اور دیگر زبانون سے مرتب ہوئی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ یہ زبان ہندوستان مین مسلمانون کے داخلہ سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی، اور اس کے بعد جب عرب، ترک، مغل، پٹھان ہندوستان آئے تو الفاظ کا بہت بڑا نیا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے، اور اس کو برج بھاشا مین داخل کر دیا، اور اسی طرح یورپین اقوام کے ہندوستان مین آنے سے پیشتر اس زبان مین انھین سامی، سنسکرت اور فارسی زبانون کے ذریعہ سے اٹلی، جرمن، فرنچ، یونانی اور انگریزی زبانون کے بہت سے الفاظ داخل ہو چکے تھے، اس لئے اردو زبان لینگو فرینکو کی حیثیت سے دنیا مین مقبول ہو گی، اور خصوصاً جہان کے الفاظ اس زبان مین زیادہ موجود ہین وہان بڑی آسانی سے سمجھی اور بولی جا سکتی ہے،

اس مجلس نے اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ یورپ کی انگریزی اور دیگر زبانون کے حروف تہجی عبرانی زبان

سے ماخوذ ہین مثلاً

ابجد	A. B. C. D
کلمن	K. L. M. N
قرشت	Q R. S T وغیرہ

اس مجلس نے اپنا ایک ماہوار جاری کیا ہے جس مین اپنی اور ان جیسے چند اور مباحث پر بحث وتمحیص ہوتی رہے گی اور اس نے ہندوستان کی موجودہ فضا کا لحاظ کرکے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ اس کے قیام کا منشا محض علمی تحقیق وجستجو ہے ان مباحث سے کسی خاص فرقہ اور مذہب کی دل آزاری مقصود نہین،

مجلس کو توقع ہے کہ ہندوستان کے ممتاز اہل قلم ان مباحث مین کافی حصہ لے کر ان کے تحقیقی مدارج کو ترقی دین گے، ناظرین معارف مین جو لوگ ان مباحث مین حصہ لینا چاہین، وہ "مسٹر کشن آمبلی عباس منزل جامع مسجد اسٹریٹ دہلی" کے عنوان سے خط وکتابت کرسکتے ہین،

"م"

علی گڑھ میگزین کا نو وکیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب وتاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء مین شائع ہوگا، اس مین تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشاپردازون کے مضامین اور بلند پایہ شعراء کے افکار عالیہ شائع ہونگے، اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اردو کتابت وطباعت کا بہترین نظرفریب نمونہ ہوگا، تمام اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جنکا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہے استدعا کیجاتی ہے کہ اپنے ادبی وعلمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کرین مضامین اور حصہ نظم ایڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہنچ جانا چاہیئے، خریداری رسالہ واجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط وکتابت کیجیے،

منیجر علی گڑھ میگزین،

اخبار علمیہ

انسان خوار نباتات، جزیرہ مڈگاسکر کے جنوبی مشرقی حصہ مین ایک درخت ہے جو انسان کو کھاجاتا ہے، وہین پر انسانون کا ایک قبیلہ ہے، جس کا نام مکودوس ہے، وہ اس مقدس درخت کی پرستش کرتا ہے، یہ درخت دس فیٹ سے عموماً زیادہ بلند نہین ہوتا، اور اسکی شکل پیپے کی طرح مدور ہوتی ہے، اور اسکی پھننگ سے دس پتے بڑے بڑے نیچے لٹکا کرتے ہین، ہر پتے کی سطح پر زہریلے کانٹے ہوتے ہین، اس قبیلہ کے لوگ تہوار کے دن سال مین ایک دفعہ اپنے قبیلہ کی حسین ترین لڑکی اس درخت کو قربانی دیتے ہین، اور اس دن وہ نہایت ہنسی خوشی اور ناچ رنگ مناتے ہین،

سامریون کی توراۃ، سامری فرقہ کے ان موسویون کے پاس جو نابلس (شام) مین رہتے ہین، حضرت موسیٰ کی پانچون کتابون کا سب سے قدیم نسخہ موجود ہے، جو مطبوعہ اور مشہور نسخہ سے جو موجودہ یہودیون کے پاس ہے مختلف ہے، سامریون کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ حضرت موسیٰ کی اولاد مین سے ایک کا لکھا ہوا ہے، اور جو بنی اسرائیل کے کنعان مین داخل ہونے کے تھوڑے دن کے بعد لکھا گیا،

قرآن پاک عیسائی کی نگاہ مین، فلسطین مین سرکاری مدرسون کے اعلیٰ مدرسین کی کانفرنس اس غرض سے منعقد کیگئی تھی، تاکہ فلسطین کے مدارس کا نظام ونصاب تعلیم مقرر کیا جائے، اس کانفرنس مین استاذ انیس صیدادی نے جو مسیحی ہین اور یافا کے مدرسہ ثانویہ کے مدرس اعلیٰ ہین، یہ تجویز پیش کی کہ سرکاری مدرسون کے اعلیٰ درجون مین قرآن کی تعلیم لازمی قرار دیجائے، تاکہ عیسائیون کی آیندہ نسل قرآن کی بلاغت کے فائدہ سے محروم نہ رہے، اور انکی

زبان درست ہو، اور ملکۂ بیان حاصل ہو،

مچھلی کی تیز روی، سب سے تیز رو مچھلی ایک گھنٹہ مین ۲۵ میل کی مسافت پانی مین طے کرتی ہے،

چاے اور انگریز، دنیا مین جتنی چاے پیدا ہوتی ہے، اس کا آدھا حصہ انگریزون کے مصرف مین آتا ہے،

شعاع رنجن کے مضر اثرات، رنجن کی شعاعین انسان کے جسم مین نفوذ کرکے اس کے فاسد مادون کو اطبا کے سامنے واضح کرتی ہین، ان شعاعون کے انکشاف کو ابھی نہایت تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اسی قلیل مدت مین اس کا استعمال نہایت سرعت سے عام ہو چکا ہے، خصوصاً مرض سرطان اور سلسلہ تناسل مین بعض تغیرات پیدا کرنے مین نہایت مفید ثابت ہوا ہے،

مگر یورپ کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اب پروفیسر مولر نے ان شعاعون کے متعلق بعض ایسے تجربون کا اعلان کیا ہے، جس سے ممکن ہے کہ یورپ مین بعض مخصوص چیزون کے لیے ان کے استعمال مین بہت کچھ کمی آجائے، پروفیسر مولر نے ان شعاعون کو بعض مکھیون اور چوہون پر آزمایا، اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ یہ شعاعین چہرے کی ساخت اور اس کے آب و تاب مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیتی ہین، اور زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ خرابی نسلاً بعد نسلٍ متوارث ہو جاتی ہے، اور جس درجہ نسل بڑھتی جائیگی چہرہ کی بدہیئتی مین ترقی ہوتی جائے گی، کیونکہ اس کے نشو و نما کا وہ نظام ہی سرے سے قائم نہین رہتا جو ان شعاعون کے اثر انداز ہونے سے پہلے قائم تھا، اس لیے پروفیسر مولر نے ان تمام لوگون سے جو ان شعاعون کو سلسلہ تناسل مین استعمال کرتے مین، پرہیز کرنے کی درخواست کی ہے، اور پروفیسر مولر نے یورپ کی ان خواتین کو خاص طور پر مخاطب

کیا ہے جو بانجھپن اختیار کرنے کے لیے ان شعاعون کو کام مین لاتی ہین، کیا خدا کی قدرت ہے کہ یہی شعاعین جو آج تک یورپ مین حسن و شباب کی بہترین محافظ سمجھی جاتی تھین، اب وہی شعاعین ان کے لیے اس درجہ تباہ کن ثابت ہو رہی ہین،

روئی کی کاشت کا رقبہ، سنہ ۱۹۲۶ء کے اعداد و شمار سے جو اب تک آخری اعداد و شمار ہین، واضح ہوتا ہے کہ روئی کی کاشت ولایات متحدہ امریکہ مین ۳۲۳۹۷۰۰۰ ایکڑ زمین مین، اور اس کے علاوہ ہندوستان مین ۲۳۴۰۶۳۶۰۰ ایکڑ اور مصر مین ۱۵۶۳۲۶۲ ایکڑ، اس طرح تقریباً ساری دنیا مین ۷۰ ملین زمین روئی کے لیے وقف ہے،

فن زراعت مین ایک سریع السیر انقلاب، اب تک علوم جدیدہ کے ماہرین زراعت کی طبعی پیداوار پر کوئی لائق توجہ دسترس حاصل نہین کی ہے، مگر امریکہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ نیویارک کے ایک انسٹیٹیوشن نے یہ مہم بھی سر کر لی، اور گیہون کی فصل جو بالعموم پانچ چھ مہینہ مین تیار ہوتی ہے، صرف ۲۵ دن مین تیار کر کے کاٹ لیگئی،

امریکہ کی اس تمام زرعی جد و جہد کا مقصد یہ ہے کہ صنعت و حرفت کی تجارت مین مثلاً فورڈ ایک دن مین ایک ہزار موٹر تیار کر سکتا ہے، اور اس کو یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جائین کہ اس کو ترقی دیکر ایک دن مثلاً پانچ ہزار تک پہنچائے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کاشتکار بھی ایسے وسائل اختیار نہ کرے کہ وہ بھی ایسے ہی اصول پیش نظر رکھ کر اپنی زراعت سے فائدہ اٹھائے اور فائدہ پہنچا سکے، مگر فن زراعت مین اہم ترین دشواری اسکی طبعی پیداوار ہے، کہ زمین زیادہ سے زیادہ سال مین تین یا چار فصل پیدا کر سکتی ہے، اس لیے اسی مشکل کو حل کرنے کی جد و جہد جاری ہے، چنانچہ ۲۵ دن کی جو فصل حاصل کیگئی ہے اسی کی ایک کامیاب پہلی منزل ہے،

اس فصل کے حصول کی صورت یہ اختیار کیگئی کہ پہلے بیج کو ایک شب کہربائی قوت کے سامنے رکھکر اس مین حرارت پیدا کیگئی، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ سرعت کیساتھ زمین سے اپنی غذا حاصل کر سکے، اور پھر اس مین آکسیڈ کریون کی ایک تعداد کا اضافہ کرکے اس کو زمین کے سپرد کردیا گیا، اس طرح بیج نے چار چھ مہینہ کے مرحلہ کو صرف ۳۵ دن مین طے کرلیا، اور پختہ بیجون سے لدی ہوئی کھیتی کاٹ لیگئی، مگر افسوس ہے کہ انسٹی ٹیوشن نے یہ بھی اعلان کیا ہے، کہ اگرچہ یہ تجربہ صحیح ثابت ہوا اور اس کے علاوہ آلو وغیرہ پر بھی تجربہ کیا جاچکا، مگر ان طریقون پر عمل کرنے مین جو دشواریان اور وسائل اختیار کرنے پڑین گے، وہ عام کاشتکار برداشت نہین کر سکتے، اس لیے اس طریقہ کی ترویج سردست قطعی طور پر ناممکن ہے، یہ ممکن ہے کہ آئندہ کوئی معقول صورت پیدا کر سکے،

لومڑی کی فاقہ کشی، کہا جاتا ہے کہ حیوانون مین لومڑی سب سے زیادہ دنون تک بے آب و دانہ رہ سکتی ہے، چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ لومڑی کی فاقہ کشی کی انتہائی مدت دو سال ہے، اسی طرح دوسرے جانورون کے متعلق بھی آزمایا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اگر مینڈک کو ۱۶ مہینے تک غذا نہ دیجائے تو بھی وہ زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح کچھوا بھی چند ہفتون تک غذا سے بے نیاز رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے

ماہ پرواز، یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ فن پرواز کی جدوجہد مین اکثر سالون مین ماہ مئی کو ایک نمایان خصوصیت حاصل رہی ہے، چنانچہ ۱۹۱۹ء کے ماہ مئی مین انگلستان کے ماہر پرواز مسٹر کاک نے جزیرہ نیوز بلینڈ سے ائرلینڈ تک پرواز کرکے سب سے پہلی مرتبہ بحر اٹلانٹک کو عبور کیا، ۱۹۲۳ء کے مئی مین امریکہ کے چند ماہرین نے بحر پاسفیک کو چند مراحل مین عبور کیا، ۱۹۲۶ء کے مئی مین کمانڈر برڈ نے قطب شمالی کی طرف پرواز کی، اور اس سال ۱۹۲۷ء کے مئی مین ایک نوجوان امریکی، ۴۲۴۹۰ فٹ بلندی تک پہنچا جو اب تک انسان کی غایت پرواز ہے اور پھر اسی سال اسی مہینہ مین امریکہ مشہور معروف لنڈ برگ نیویارک سے پیرس تک کے سفر کو ایک ہی مرحلہ مین طے کیا، اس لیے اگر اس مہینہ کو "ماہ پرواز" سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

"ز"

باب التقریظ والانتقاد

رحلت مصطفیٰ

مؤلفہ مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی نے اس رسالہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام حالات جو آپکی وفات سے تعلق رکھتے ہین، یکجا کر دیئے ہین، اس لیے دراصل یہ رسالہ اپنی نوعیت کا سب سے پہلا رسالہ ہے، اور سیرت نبوی صلعم مین ایک خاص باب کا اضافہ ہے، کیونکہ انسان کی زندگی کے آخری لمحے اس کی تمام زندگی کا آئینہ ہوتے ہین، جس مین اس کے تمام اخلاقی حالات و اوصاف نہایت واضح طور پر آشکارا ہو جاتے ہین اگر اس کی زندگی راست بازی، اخلاص، صداقت، دیانت، جرأت، بسالت، اور دیگر اوصاف حمیدہ سے مملو تھی، تو جس درجہ یہ اوصاف اس مین موجود ہون گے اسی درجہ اس آئینہ مین ان کا واضح پرتو منعکس ہوگا، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو آپکی وفات کی اطلاع چند ماہ پیشتر ہی ملجاتی ہے، جس کا آپ نہایت خندہ جبینی سے استقبال فرماتے ہین، حیات کے آخری لمحون مین آپ کو اسلام اور مسلمانون کیلئے جو کام انجام دینا تھا، ادا فرماتے ہین، اور وہ ساعت جیسے جیسے قریب آتی جاتی ہے، جوار خداوندی کا اشتیاق بڑھتا جاتا ہے، یہانتک کہ دعا و دوا کی بھی ممانعت کر دیجاتی ہے، اور آپ ہوالرفیق الاعلیٰ ہوالرفیق الاعلیٰ کا ورد فرماتے ہوئے دنیا سے تشریف لیجاتے ہین، دنیا کی بلند ترین سیرت کا

یہی مرقع "رحلت مصطفےٰ" مین کھینچا گیا ہے، جناب مولف کو اس کی ترتیب و تالیف مین لائق ستائش جد وجہد کرنی پڑی ہے، جس کے لیے وہ قابل مبارکباد ہین، لیکن رسالہ کی تالیف مین چند فروگذاشتین بھی ہین، جن مین اہم مسئلہ اسکی زبان کا ہے، مثلاً اردو اسلوب تحریر مین پیشوایان مذاہب کے لیے ایک خاص طریقہ یہ رائج ہے کہ ان کے نامون کے آگے توصیفی الفاظ بڑھا دیے جاتے ہین، اور اسکی اسقدر پابندی کیجاتی ہے کہ کسی موقع پر بغیر توصیفی الفاظ بڑھائے کسی نام کو لے لینا ان کی شان مین گستاخی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے، اس لیے مثلاً محض یہ لکھنا، "غرضیکہ جب ابو بکر روئے اور رسول اللہ کو یہ جواب دیا" (ص ۴۴) "ام سلمہ کہتی ہین" (ص ۶۳) "عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے۔" (ص ۵۳) موزون نہین معلوم ہوتا،

اسی طرح یہ بھی ملحوظ رکھنا تھا کہ جس شخص یا جماعت کی گفتگو نقل کیجارہی ہے، اگر وہ اردو زبان مین گفتگو کرتی تو وہی اسلوب ہوتا جو رسالہ کی زبان مین اختیار کیا گیا ہے، مثلاً حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ سے یہ فرمانا، کہ "تم تو تین دن مین ڈنڈے کا غلام ہوگا،" (ص ۴۷) یا حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلعم کی موجودگی مین ازواج مطہراتؓ سے یون خطاب کرنا "آپ بیمار ہوتے ہین تو تم آنسو بہاتی ہو، تندرست ہوتے ہین تو گردن لیتی ہو" (ص ۳۹) یا جا بجا صحابہ کرامؓ سے آنحضرت صلعم کے خطاب کو صیغہ واحد سے ادا کیا گیا ہے جو اردو مین تحقیر کا پہلو پیدا کرتا ہے مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد، "ابو بکر سے کہو نماز پڑھائے،" (ص ۲۰) یا حضرت معاذ بن جبلؓ سے ارشاد فرمانا "مین تجھے ایسے لوگون کی طرف بھیج رہا ہون" (ص ۱۹) اسی سلسلہ مین اس موقع پر یہ تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ اب اردو اسلوب بیان مین آنحضرت صلعم کے متعلق صیغہ واحد سے گفتگو کرنا قطعی سوء ادب سمجھا گیا ہے، گو گفتگو کرنیوالا آپ کی شان مین جس درجہ اعلیٰ وارفع اوصاف بیان کرے لیکن مؤلف رحلت مصطفےٰ نے ان چیزون کو نظر انداز کر دیا ہے،

رسالہ مین ایک دو مقام پر ایسے واقعات بھی آگئے ہین، جنکا تعلق آپ کی ازدواجی زندگی سے ہے، اور اگرچہ ان واقعات پر اس لحاظ سے نظر نہین ڈالنی چاہیے کہ یہ خطاب ایک پیغمبر کا اپنی امتی سے یا امتی کا ایک

پیغمبر سے ہے، بلکہ واضح طور پر سمجھنا چاہیے کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے یا ایک شوہر اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا ہے، اسکے باوجود ضرورت تھی کہ جناب مؤلف انتہائی حزم واحتیاط سے ایسی گفتگوؤن کو نقل کرتے مثلاً "مین خوب جانتی ہون آپ میری موت چاہتے ہین تاکہ میرے گھر مین کوئی بیوی لے کر زندگی بھر عیش کرین" (ص ۲۲) اسی واقعہ کو اردو کی ایک دوسری بلند پایہ کتاب مین یون ادا کیا گیا ہے، "آپ میری موت مناتے ہین، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے مین نئی بیوی لا کر رکھین"،

رسالہ کے اسلوب تحریر کے علاوہ چند چیزین اور بھی قابل تذکرہ ہین، مثلاً ایک ہی واقعہ کو دو مختلف موقعون پر درج کرنا، جیسے جب آپ حضرت میمونہؓ کے مکان مین تھے اس وقت حضرت عمرؓ کی امامت کا تذکرہ مسند عائشہ و ابن سعد کے حوالہ سے پھر ص ۲۸ پر یہی واقعہ اسی ابن سعد کے حوالہ سے اس وقت درج کیا گیا ہے جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان مین اٹھ آئے تھے، روایات کے انتخاب مین بھی احتیاط مدنظر نہین رہی ہے، یہان تک کہ ابن عساکر اور عقد الفرید سے بھی استناد کیا گیا ہے۔

اسی طرح مؤلف نے آنحضرت صلعم کی وراثت کے سلسلہ مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ اپنے مال اور جائداد مین اس لیے وراثت کی ممانعت فرمائی کہ آپ دنیا سے "سرمایہ داری" اور "غیر منقولہ جائداد کی شخصی ملکیت" کو فنا کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ دنیا عہد طفولیت مین تھی اس لیے آپنے اس مین بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا جو غلامی کی قدیم رسم کے ابطال مین برتا تھا، ہمین حیرت ہے کہ آجکل ہندوستان کا نوجوان سیاسی طبقہ ایک طرف مذہب کو سیاست مین دخل انداز ہونے سے روکنا چاہتا ہے، پھر دوسری طرف اپنے وقتی سیاسی نظریون مین مذہب سے خلاف قیاس مسائل استنباط کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اگر آنحضرت صلعم کے طرز عمل کا یہی مقصود ہوتا تو پہلے آیات توریث منسوخ ہوتین،

رسالہ مین بعض غیر متعلق چیزین بھی آگئی ہین، مثلاً وصال نبوی کے تذکرہ مین "حضرت ابو بکرؓ کی عظمت" کے عنوان سے ان مین اور حضرت عمرؓ مین موازنہ کرنا اور بعض مورخین کا حضرت عمرؓ ہی کو اسلام کا ہیرو قرار دینے پر تعجب کا

اظہار کرنا، اس کا تذکرہ اگر ہو سکتا تھا تو رحلت صدیقی مین نہ کہ رحلت مصطفوی مین،

اس مختصر رسالہ پر اس تفصیلی تبصرہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ رسالہ ایک بسیط سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اس کے بعد اسی طرح خلفائے راشدینؓ، دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ صالحینؒ و دیگر رجال اسلام کے حالات وفات شائع ہونے والے ہین، اس لیے ضرورت ہے کہ باقی حصون کی طباعت سے پیشتر ان امور کو پیش نظر رکھکر نظر ثانی کر لیجائے، ورنہ یہ رسالہ اپنی جگہ غائت درجہ مفید اور صحیح تاریخی واقعات سے مملو ہے، اور رقت انگیزی کا یہ عالم ہے کہ ناممکن ہے کہ پڑھتے پڑھتے آنکھیں اشکبار نہ ہو جائین، اور رسالہ کی عام زبان بھی صاف، سلیس، اور صحیح ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۸/ ہند بک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۲۰۲، بالی گنج کلکتہ سے طلب کیجیے،

کلیات ولی

مرتبہ

مولوی علی احسن صاحب احسن مارہروی،

تصحیح و تہذیب کے ساتھ قدیم کتابون کی اشاعت ایک علمی خدمت ہے، اور اب اس نے اس قدر وسعت و اہمیت حاصل کر لی ہے کہ تصنیف و تالیف کے برابر سمجھی جاتی ہے،

یہ خدمت اگرچہ ہر زمانے مین جاری رہی ہے، لیکن یورپ نے سب سے پہلے اس کا معیار بلند کیا اور اسکی دیکھا دیکھی مصر و ہندوستان مین اس کی تقلید کیگئی، جس سے بہت سی قدیم کتابین، جو کیڑون کی معاش کا ذریعہ ہو رہی تھین، دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گئین،

ہندوستان مین مرکزی حیثیت سے دائرۃ المعارف حیدرآباد قدیم عربی کتابون کی اشاعت کر رہا ہے، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن اردو کتابون کی اشاعت مین مصروف ہے، اور اس سلسلہ مین اس نے حال مین ایک نہایت قدیم کتاب یعنی دیوان ولی کو نہایت خوبی کے ساتھ شائع کیا ہے،

ولی کا دیوان اگرچہ اس سے پہلے یورپ اور ہندوستان مین چھپ چکا ہے، اور اس کے قلمی نسخے بھی جا بجا ہندوستان مین موجود ہین، لیکن اس کے مطبوعہ و قلمی نسخے اب اس قدر نایاب ہین کہ عام دسترس سے باہر ہین، اور اس کے ساتھ باہم اس قدر مختلف و متناقض ہین کہ ان پر عام اعتماد نہین کیا جا سکتا، اس لیے اسکی ضرورت تھی کہ ان تمام نسخون کے مقابلہ و موازنہ سے ایک نہایت مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کر کے شائع کیا جاتا، اور مولوی علی احسن صاحب مارہروی نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور دیوانِ ولی کے دس نسخون سے مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمایا، اور اس کے ساتھ مختلف تذکرون سے ولی کے حالات بہم پہنچائے، ان کے کلام پر ایک مفصل ریویو کیا، غیر معروف و متروک قدیم دکنی الفاظ کی ایک فرہنگ مین تشریح کی اور اس نسخہ کو اشاعت کے لیے انجمن ترقی اردو کے حوالے کیا، اگر انجمن کا مقصد محض تجارتی ہوتا تو وہ اسی نسخے کو تجارتی نقطۂ نظر سے نظر فریب صورت مین پبلک کے سامنے پیش کر دیتی، لیکن انجمن کے سکریٹری مولوی عبدالحق صاحب نے اس پر علمی حیثیت سے نگاہ ڈالی اور اس حیثیت سے ان کو اس نسخہ کی ترتیب و تہذیب مین اور بھی زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نظر آئی، چنانچہ انھون نے سب سے پہلے اس کے مقدمہ سے غیر ضروری باتین حذف کر کے صرف اسی قدر باقی رکھا جس کا تعلق ولی کے کلام سے تھا، اس کے ساتھ اس نسخہ کا اپنے قلمی نسخون سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اختلافِ نسخ اس سے بہت زیادہ ہے، جس قدر اس نسخے مین دکھایا گیا ہے، اور ساتھ ہی ولی کا کچھ کلام ایسا بھی ہے جو مولوی احسن صاحب کے فراہم کردہ نسخون مین موجود نہین ہے، اس لیے انھون نے اصل کتاب مین دو ضمیمے اور شامل کئے، جن مین ایک ضمیمہ اس کلام کا ہے جو انجمن کے نسخون مین ہے اور احسن صاحب کے تمام نسخون مین نہین، دوسرا ضمیمہ اختلاف نسخ کا ہے، اور وہ اس ضمیمہ سے بہت زیادہ بڑا ہے، اب اس تصحیح و ترتیب و ترمیم و اضافہ سے ولی کا دیوان جو چند بوسیدہ اوراق مین کیڑون کی غذا بن رہا تھا، پانچ چھ سو صفحون کی ایک کتاب بن گیا ہے، جو ٹائپ مین شائع ہوئی ہے،

کتاب کی ابتدا ولی کے حالات اور تبصرہ کلام سے ہوئی ہے، اگرچہ جامع کتاب نے تقریباً تمام تذکرون کی ورق گردانی کی ہے، لیکن ولی کے حالات مین انھون نے کوئی نئی بات نہین لکھی ہے، اور نہ غیر معمولی دلچسپ حالات

فراہم کئے ہین، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان حالات کو حالات کہا بھی نہین جاسکتا، صرف ولی کے نام، وطن اور مذہب میں جو اختلافات تھے، ان مین اپنی رائے کی تائید مین قرائن وقیاسات سے مدد لیکر چند دلائل فراہم کئے ہین، جو یورپ کے تذکرہ نویسون کی شان ہے، اس کے بعد ولی کے کلام پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا ہے، جس مین اگرچہ اب بھی بہت سی غیر ضروری باتین شامل ہین، تاہم اس مین تقریباً تمام حیثیتون سے ولی کے کلام پر نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد فرہنگ الفاظ ہے، جس سے ولی بلکہ قدما کے کلام کے سمجھنے مین بہت کچھ مدد مل سکتی ہے، فرہنگ کے بعد دیوان شروع ہوتا ہے، جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے، اور اسی مین جابجا حاشیے پر اختلاف نسخ دکھایا گیا ہے، یا اور کوئی مفید بات درج کیگئی ہے،

جناب احسن صاحب کا کارنامہ یہین ختم ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد مولوی عبد الحق صاحب کا اضافہ شروع ہوتا ہے جس مین سب سے پہلے ضمیمہ نمبر ا ہے، جو ولی کے اوس کلام پر مشتمل ہے جو احسن صاحب کے مرتبہ نسخون مین نہین ہے، پھر ضمیمہ نمبر ۲ کی باری آتی ہے جس مین ان نسخون کے اختلافات کو دکھایا گیا ہے، جو انجمن اور اس مرتبہ نسخے کے درمیان نظر آئے، اور یہ ضمیمہ بہت بڑا ہے، اخیر مین ایک غلطنامہ بھی شامل ہے اور اس طرح ایک نہایت عمدہ کتاب شائع ہوگئی ہے، جس سے اردو زبان، اردو شاعری اردو املا وطرز کتابت کے متعلق بہت سی تاریخی باتین معلوم ہوسکتی ہین،

کتاب کی قیمت مجلد للعہ غیر مجلد للعہ ہے، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے،

"ع"

کتاب الفلاحت

ابو زکریا علامہ یحییٰ بن شبلی کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اس مین مصریون نبطیون یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس، حجم ۲۱۶ صفحے قیمت للعہ

مطبوعاتِ جدیدہ

عشرۂ کاملہ، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوون کی تردید مین شیخ محمد یعقوب صاحب مستوری پٹیالوی نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشارہ سے یہ کتاب دس فصلون مین لکھی ہے، ہر فصل مین دس دلیلین ہین، اس طرح سو دلیلون سے ان کے مختلف دعوون کی تردید کیگئی ہے، مصنف نے اس مین التزام کیا ہے کہ مرزا صاحب کے دعوون کی تردید خود انھین کی کتابون اور تحریرون سے کیا جائے، تردید مین عموماً سنجیدگی قائم رکھی گئی ہے، جواب کی تحدی بھی کیگئی ہے، امید ہے کہ لوگون کو اس کتاب سے فائدہ پہنچیگا، ضخامت ۱۶۸ صفحے، لکھائی چھپائی متوسط قیمت ۸/، پتہ: کتبخانۂ یحیوی، سہارنپور،

آثار صنادید دکن، حیدرآباد اور گولکنڈہ کی قدیم عمارات اور آثار کی تاریخ، کتبات اور حالات اس مین بیان کئے گئے ہین، اس کے مؤلف مولوی سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر (حیدرآباد دکن) ہین، ان عمارتون کے بیانات مین جہانتک ہمین معلوم ہے، مصنف سے پہلے کسی نے کوئی کتاب نہین لکھی، یہ سنہ ۱۳۴۲ھ کی تالیف ہے، اہل علم اور شائقین کیلیے یہ معلومات نہایت مفید ہین، ضخامت ۸۴ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی قیمت عہ، مصنف سے ہمایون نگر حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملے گی،

استبداد، ایک اٹالین فاضل نے استبداد (مطلق العنان فرمانروائی) کی برے اثرات اور نتائج پر یہ کتاب لکھی تھی، یہ اٹالین سے فرنچ مین، اور فرنچ سے سلطان عبد الحمید کے زمانہ مین عربی مین ترجمہ ہوئی، اور لوگون نے اس کو بہت پسند کیا، اب اسکو عربی سے اردو مین مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی نے منتقل کیا، کتاب خطیبانہ انداز مین لکھی ہے، اور متعدد فصلون مین استبداد کی حقیقت، استبداد اور مذہب، استبداد اور علم، استبداد اور عزت، استبداد اور دولت، استبداد اور اخلاق، استبداد اور تربیت، استبداد اور ترقی، استبداد

سے نجات" ان باتون پر بحث کیگئی ہے، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ ہند بک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۲۰۰ بالی گنج کلکتہ،

ائمۂ اسلام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام کا یہ اردو ترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس رسالہ مین مصنف نے اس شبہہ کا جواب دیا ہے کہ ائمۂ مجتہدین مین باہم اختلاف کیون ہے؟ آخر مین مترجم نے بعض ان اصولی اصطلاحات کا فرہنگ اضافہ کیا ہے، جو اس رسالہ مین مستعمل ہوئے ہین، اور عام اردو خوان ان کو نہین جانتے، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، قیمت شاید ۱۲ر ہو، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۴ شیرانوالہ دروازہ، لاہور

نجد و حجاز، سید رشید رضا صاحب اڈیٹر المنار نے نجد و حجاز کے مسئلہ پر المنار اور الاہرام مین جو سلسلہ مضامین لکھا تھا، مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم کتبخانۂ علوم مشرقیہ دار العلوم پشاور نے اس کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اور وہ ایک مسلسل کتاب کی صورت مین ہے، اس مین "نجد و حجاز کی جنگ، اس کے اسباب، سلطان نجد کی سرکاری تحریرین، معاہدات، نجدیون کا قبور اور قبون کے ساتھ برتاؤ، اور اسکی شرعی حیثیت اور شریف حسین کے اعمال یہ سب مفصل لکھے ہین، ۱۹۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ درمیانی، قیمت ۱۲ر، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

اسلامی کہانیان، چھوٹے مسلمان بچون کے مطالعہ کے لیے آسان اور سہل زبان مین اسلامی قصون اور کہانیون کی بڑی ضرورت ہے، شیخ بدر الاسلام صاحب فضلی بی اے بی ٹی نے اس نام سے ایک مختصر رسالہ لکھکر اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے، اس رسالہ مین بارہ تاریخی کہانیان ہین، آخر مین دو نظمین ہین، اور خاتمہ مین انھین کہانیون کے متعلق بچون سے سوالات پوچھے گئے ہین، بچون کے خیال سے عبارت اور خط دونون صاف ہین، اس رسالہ مین اگر کوئی عیب ہے تو یہ ہے کہ نہایت مختصر ہے، قیمت ۸ر مجلد ۱۲ر

پتہ:- حالی بک ڈپو، پانی پت،